تدبر لاہور

جاری کردہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

قرآنِ حکیم

ترجمہ : مولانا امین احسن اصلاحی
حواشی : مولانا خالد مسعود

خصوصیات:

★ فکرِ فراہی کی روشنی میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ

★ نفیس کتابت ★ سفید متن اور رنگین حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت ★ مضبوط جلد

قیمت : سٹینڈرڈ ایڈیشن -/550 روپے ، حمائل ایڈیشن -/396 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600 فون: 042-7595200

حیاتِ رسولِ امیؐ

تصنیف : مولانا خالد مسعود

خصوصیات:

کتب سیرت میں پائی جانے والی اختلافی روایات کا محاکمہ

قرآن مجید میں بیان کردہ فرائض واحوال رسول اللہ ﷺ پر مبنی سیرت کی منفرد کتاب

رسول امیؐ کے بارے میں سابقہ کتب کی پیشینگوئیوں پر سیر حاصل تبصرہ

★ حواشی اور ضروری حوالے ★ عام فہم سلیس زبان ★ خوبصورت جلد

★ صفحات 600 ★ قیمت -/375 روپے

دارالتذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

تدبّر لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مُدیر:
عبداللہ غلام احمد

شمارہ 86
اپریل 2005ء
ربیع الاوّل 1426ھ

فہرست

تذکرہ وتبصرہ
حکمت کا ثمر ...... مولانا امین احسن اصلاحی 2

تدبر قرآن
تفسیر سورہ بقرہ
علامہ حمید الدین فراہیؒ / ڈاکٹر عبید اللہ فراہی 4

تدبر حدیث
● درس صحیح بخاری۔ کتاب فی الخصومات کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 13
● درس موطا امام مالک۔ کتاب الضحایا کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 24

مقالات
● آزمائش وابتلا کی حکمت
پروفیسر عبدالخالق فاروقی 38
● آخرت میں احتساب کی نوعیت
محبوب سبحانی 44

مراسلہ ومذاکرہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 54

مجلس ادارت

محبوب سُبحانی
سعید احمد
سید اسحاق علی
محمد نعمان علی

قیمت 15.00 روپے
سالانہ 60.00 روپے
بیرون ملک 400.00 روپے
(ماسوائے برصغیر)

ناشر : ادارہ تدبر قرآن وحدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
E.mail: tadabbur @ hotmail.com

مولانا امین احسن اصلاحی

حکمت کا ثمر

حکمت کا اولین ثمر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو اس دولت سے بہرہ ور کرتا ہے اس کا اولین ثمر جو اس پر مرتب ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر گزار بندہ بن جاتا ہے۔ اور یہی شکر تمام حقوق اللہ اور تمام حقوق العباد کی معرفت کی بنیاد ہے۔ کسی شخص کے صاحب حکمت اور حکیم ہونے کی اولین شناخت یہ ہے کہ اس کے اندر اپنے رب کی شکر گزاری ہو۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو بالکل کھوکھلا ہے' گرچہ وہ علم و فلسفہ کا کتنا ہی بڑا ماہر اور عالم کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔ جو شخص خدا کا شکر گزار رہتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں میں اپنے لیے اللہ کی نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔

جس طرح حکمت کا اولین ثمر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے اسی طرح شکر کی اصل روح شرک سے اجتناب ہے۔ بندے کو تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہیں اس وجہ سے جس طرح اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب نہ کرے۔ دوسروں سے اگر بندے کو کوئی نفع پہنچتا ہے تو وہ اللہ ہی کے حکم سے پہنچتا ہے اس وجہ سے شکر کا اصل سزاوار اللہ ہی ہے۔ دوسروں کا حق اللہ تعالیٰ کے حق کے تحت ہے۔ اللہ کا حق سب سے بڑا ہے اگر کوئی شخص خدا کے حق میں دوسروں کو شریک کرتا ہے تو وہ سب سے بڑے حق کو تلف کرنے والا بنتا ہے جو ایک ظلم عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے شکر کا سب سے اول اور سب سے بڑا مظہر نماز ہے۔ یہی تمام انبیاء اور تمام مذاہب کی متفق علیہ تعلیم ہے۔ خدا کی شکر گزاری کا دوسرا پہلو امر بالمعروف ہے جو بندے کو خلق سے مربوط رکھتا ہے۔ نماز بندے کو اس کے رب سے جوڑتی ہے اور امر بالمعروف کے ذریعہ وہ اللہ کے بندوں سے جڑتا ہے۔ معروف میں وہ تمام کام شامل ہیں جو ادائے حقوق سے متعلق ہیں مثلاً اللہ کی راہ میں انفاق' یتیموں' مسکینوں' پڑوسیوں اور دوسرے مستحقین کی مدد اور اس نوع کے دوسرے کام جو ہر اچھی سوسائٹی میں معلوم و معروف ہیں اور جن کا اہتمام ہر وہ شخص کرتا ہے اور اس کو کرنا چاہیے جو اپنے

رب کا شکر گزار بندہ ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان چیزوں سے باز رہا جائے جو منکر ہیں یعنی معروف کی ضد ہیں جن میں بخالت' غصب حقوق' تعدی' عہد شکنی' فخر و غرور اور اس قبیل کی دوسری چیزیں ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اس فرض کو ادا کرنے کے لیے اٹھے گا تو اسے ہر قدم پر مشکلات اور مصائب سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس راہ کی بازیاں جیتنی ہیں تو ضروری ہے کہ جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا جائے اور پوری عزیمت سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ کام نیم دلی کے ساتھ ڈھیلے ڈھالے ہاتھوں سے انجام نہیں پاتا ان سے وہی لوگ عہدہ برآ ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں جو پوری عزیمت کے ساتھ ان کے انجام دینے کے لیے اٹھتے ہیں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو انجام دیتے ہیں۔

(تدبر قرآن۔ سورہ لقمان)

❀❀❀❀

اعتذار

بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر گذشتہ سہ ماہی کا 'تدبر' شائع نہیں ہو سکا۔ اس کوتاہی پر ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ آئندہ انشاء اللہ کوشش ہوگی کہ ہر شمارہ وقت پر شائع ہوتا رہے۔

(ادارہ)

تدبر قرآن

علامہ حمید الدین فراہی
ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تفسیر سورہ بقرہ

.... ۱۲ ....

۱۷۔ اس مجموعہ آیات کے نظم سے متعلق تین نکات

اس سورہ کی تفسیر کے مقدمہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ سورہ فاتحہ سے غایت درجہ مناسبت رکھتی ہے۔ اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مجموعہ آیات بھی اسی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے جس کی وجہ سے سورہ کا آغاز اس ٹکڑے سے ہوا۔ اس کے بعد ہم اس کے اجزاء کی مناسبت پر نظر ڈالیں گے پھر آیات مابعد سے اس کے ربط کو بیان کریں گے۔ یہ تین نکات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلا نکتہ:

اس امر کی وضاحت ہو چکی ہے کہ سورہ فاتحہ اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے دو قسموں پر مشتمل ہے ایک خدا کی حمد اور دوسرے دعا۔ ان ہی دونوں میں بندگان خدا کے لئے سعادت و کامرانی کی ساری باتیں آگئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کا آغاز اپنی حمد کی تعلیم سے کیا۔ اس لئے کہ اس کی ربوبیت جو سب کے لئے عام ہے اور اس کی رحمت جو محیط کل ہے ہر چیز پر مقدم ہے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہر کام سے پہلے اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس کے بعد اس نے ہم کو ایک ایسی جامع دعا کی تعلیم دی جو اس کی ربوبیت و رحمت ہی کے احساس سے نکلی ہے اور ہماری زبانوں پر جاری کرا دی گئی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس امر پر غور کیجئے کہ یہ مجموعہ

آیات حمد اور دعا دونوں ہی شقوں کی مناسبت سے آیا ہے۔

حمد سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ انسان کی تربیت اور اسے اپنی پیدائش کے اعلیٰ مقصد تک پہنچانے کے لئے اس کی طرف کتاب نازل فرمانے سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے جو زیادہ پر لطف اور لائق شکر ہو اور اس کی ربوبیت اور رحمت کے کمال پر دلالت کرنے والی ہو جیسا کہ انسان کو دنیا میں بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے وحی کو رزق اور ایک بابرکت چیز کہا ہے اور اسے روح اور رحمت کا نام دیا ہے اور اسی سبب سے اپنی نازل کردہ ہدایت کو انسانوں کی شکرگزاری کے لئے سب سے بڑی چیز گردانا ہے، چنانچہ ان ابتدائی آیات سے سورہ کا آغاز کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ اس کی کتاب انسان کی زندگی، اس کی بھلائی، اس کے کمال و عروج اور اس کی کامرانی کے لئے سب سے عظیم شے ہے، نیز اس سے اپنے کمال ربوبیت و رحمت اور حکمت و قدوسیت کو بھی واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اس کی بڑائی اور کبریائی بیان کریں، اس کے شکرگزار ہوں اور اس کی تسبیح و تقدیس کریں۔

یہ بات قرآن میں کہیں صراحت کے ساتھ اور کہیں اشاروں میں متعدد جگہوں پر ملے گی۔

مثلاً فرمایا ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (بقرہ:۱۸۵)

اور یہ کہ اللہ نے تمہیں جو ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی کبریائی بیان کرو اور تاکہ تم اس کے شکرگزار رہو۔

نیز فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ. (کھف:۱)

شکر و تعریف اللہ کے لئے جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔

دیکھئے کہ اس آیت میں کتاب نازل فرمانے کو حمد کے ساتھ جوڑا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَیَانَ. (رحمٰن:۱۔۴)

خدائے رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا۔ اسے بات کرنا سکھایا۔

ان آیات کے نظم سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی جو تعلیم دی ہے وہ اس پہلو سے ہے کہ وہ رحمٰن ہے۔ اسی طرح آیت ذیل میں نظم کلام اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ پیغمبروں کو بھیجنا اور کتاب نازل فرمانا اس کے مالک السماوات والارض اور قدوس وعزیز اور حکیم ہونے کے پہلو سے ہے۔ فرمایا ہے:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ. هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (جمعہ:۱-۲)

تسبیح کرتی ہیں آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں خدا بادشاہ، قدوس، عزیز وحکیم کی۔ اسی نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کو سناتا ہے اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

اسی کے مشابہ یہ آیات بھی ہیں:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (الی ان قال) هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (حدید:۱-۹)

تسبیح کرتی ہیں آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں خدا کی جو کہ عزیز وحکیم ہے، اسی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہ زندگی اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (تا) وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندہ پر واضح آیات تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ بے شک خدا تمہارے حال پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اسی طرح فرمایا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى. الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى. وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى. وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى. فَجَعَلَهٗ غُثَاءً اَحْوٰى. سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى. اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى. (سورہ اعلیٰ:۱-۷)

تسبیح کر اپنے خدائے برتر کے نام کی جس نے خاک کہ بنایا پھر نوک پلک سنوارے جس نے مقدر کیا اور ہدایت بخشی جس نے نباتات اگائیں پھر ان کو گھنا سرسبز شاداب کیا ہم تمہیں پڑھائیں گے تو پھر نہیں بھولو گے مگر جو خدا چاہے گا۔ بے شک وہ جانتا ہے کھلی اور ڈھکی ہر بات کو۔

نیز فرمایا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ. الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ. (علق:۱-۵)

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے تھکے سے۔ پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم بخشا انسان کو۔

ان آیات کے نظم پر غور کیجئے تو تنزیل وحی سے ربوبیت ورحمت کے ربط پر اور اس عظیم نعمت کے تئیں شکر کے واجب ہونے پر آپ کو دلیل مل جائے گی۔

اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" کا ٹکڑا سورہ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ سے جو خداوند تعالیٰ کی ربوبیت عام اور رحمت تمام پر حمد کی تعلیم سے شروع ہوتا ہے کتنی خوبصورتی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کے حق میں اس کی ربوبیت ورحمت اور جود وحکمت میں کمی رہ جاتی اور پوری نہ ہو پاتی جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قول کے حوالہ سے فرمایا ہے:

رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى. (طٰہٰ:۵۰)

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کا وجود بخشا پھر اس کی رہنمائی کی۔

چوں کہ اس نے انسان کو علم و حکمت اور طہارت و پاکیزگی کے حصول کی انتہائی طلب اور استعداد دے کر پیدا کیا ہے اس لئے اس کی طرف اپنی کتاب نازل کی اور پیغمبروں کو بھیجا تا کہ اس پر اپنی نعمت پوری کر دے جس سے وہ اس کے شکر گزار بنیں حالانکہ وہ ان کے شکر سے بالکل بے نیاز ہے بلکہ اس کا معاملہ تو ایسا ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ. (نمل:۴۰)	اور جو شکر ادا کرتا ہے تو اپنے نفع کی خاطر شکر ادا کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو میرا رب بے نیاز و کریم ہے۔

چنانچہ انسانوں پر اپنی اسی نوازش و انعام کی وجہ سے وہ سزاوار حمد ہے خواہ لوگ اس کی اس نعمت کو قبول کریں یا اس سے اعراض کریں کیوں کہ وہ تو بے نیاز ہے۔

سورہ فاتحہ کی دوسری شق یعنی دعا سے اس ٹکڑے کا ربط یہ ہے کہ جس جامع دعا کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے ہم کو سورہ فاتحہ میں دی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہمیں اس صراط مستقیم پر چلائے جو انعام یافتہ لوگوں کی راہ ہے نہ کہ جو مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ ہے۔ دعا کی یہ تعلیم خود اس کی قبولیت کے وعدہ کی خبر دے رہی ہے چنانچہ یہ ٹکڑا اس دعا کے جواب اور اس وعدہ کی تکمیل میں آیا ہے گویا ہم سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ وہی ہدایت ہے جو تم مانگ رہے تھے اور یہی صراط مستقیم اور انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے۔

احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک مرفوع روایت میں حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صراط مستقیم درحقیقت کتاب الٰہی ہے(۱)۔ نیز ان سے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صراط مستقیم دراصل اسلام اور سنت کا نام ہے(۲)۔ جیسا کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

چنانچہ اس امر کی صراحت کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی یہ کتاب متقین کے لئے ہدایت ہے اور اس کے بعد اس سے ہدایت حاصل کرنے والے متقین کی صفات بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے دونوں باتیں کھول کر رکھ دی ہیں یعنی یہ کہ یہ کتاب صراط مستقیم ہے، نیز یہ کہ

(۱) تفسیر طبری ۱:۱۷۱-۱۷۳' نیز ابن کثیر ۱:۲۶

(۲) تفسیر طبری ۱:۱۷۳-۱۷۵' ابن کثیر ۱:۲۶-۲۷

یہ انعام یافتہ لوگوں کی سنت یا طریقہ زندگی ہے، اس سورہ کی تفسیر کے مقدمہ میں یہ بات آچکی ہے کہ یہ سورہ دین کے تمام مطالب کی جامع اور سورہ فاتحہ کی تفصیل ہے، اگر آپ "صراط مستقیم" کی معنوی وسعت پر نظر دوڑائیں اور اسی طرح لفظ "ہدیٰ" کی وسعت کو نگاہ میں رکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس مجموعہ آیات میں وہ تمام باتیں انحصار کے ساتھ آگئی ہیں جو باقی سورہ میں ایمان و سنت کی تعلیم سے متعلق بیان ہوئی ہیں۔

دوسرا نکتہ

اس مجموعہ کے اجزاء کا باہمی ربط

اس سے پہلے والی اور بلاغت کی فصل میں اس کے بعض پہلو مختصراً بیان ہو چکے ہیں ان کے علاوہ باقی باتوں کو یا ان میں سے جو مزید تفصیل کی طالب ہیں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان کی سعادت اس کے علمی اور عملی دونوں ہی پہلوؤں کی درستگی پر موقوف ہے اور ان دونوں کو جوڑنے والی چیز صالح طبیعت ہے جس سے ان کی اصلاح ہوتی ہے اور یہ تینوں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علم حال پر اور حال عمل پر مقدم ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم کی تکمیل پہلے ہو جاتی ہے پھر حال کی اصلاح شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد عمل کی اصلاح کا نمبر آتا ہے اور اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ بلکہ انسان ان تینوں ہی میں درجہ بدرجہ آگے کی طرف بڑھتا ہے اور ان کی مدد سے ترقی کے مدارج طے کرتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کی فطرت میں ملی جلی حالت میں رکھا ہے اور اگر کوئی خوبی کے ساتھ انہیں استعمال کرتا ہے تو ان میں افزونی فرماتا ہے۔ اس حقیقت کو دھیان میں رکھتے ہوئے اب اس امر کی طرف توجہ مبذول کیجئے کہ ہدایت وہ روشنی ہے جو عقل اور علم کے افق سے طلوع ہوتی ہے اور تقویٰ وہ حال ہے جو قلب اور ارادہ کے مطلع پر نمودار ہوتا ہے نیز یہ کہ تمام اعمال صالحہ خواہ ان کی نوعیت علمی ہو یا عملی سب اسی علم و فکر سے ہم آمیز حالت کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا. (انسان ۲-۳)	یہاں تک کہ ہم نے اسے دیکھنے سننے والا بنا دیا، ہم نے اس کو راہ سجھا دی چاہے وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا بن جائے۔

اس آیت میں تین مراتب بیان کئے، حواس، فہم، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیز کے صحیح یا غلط استعمال سے جو دو طرح کے احوال پیدا ہوتے ہیں ان کو بتایا، نیز فرمایا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. (الشمس: ۷۔۸) شاہد ہے نفس اور جیسا کچھ اس کو سنوارا۔ پس اس کو سمجھ دی اس کی بدی اور نیکی کی۔

"الھمھا" کا لفظ انسان کی عقل اور اس کی قوت تمیز جو فجور و تقویٰ کے درمیان فرق کرتی ہے، کے پہلو کو واضح کر رہا ہے۔ فجور کو اس لئے مقدم کیا کہ تقویٰ گناہ کے شعور سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى. (علق: ۱۱۔۱۲) بھلا دیکھو تو اگر وہ ہدایت پر ہوا یا تقوی کا حکم اس نے دیا۔

تقوی پر حدی کو مقدم کر کے اور تقوی کو تمام احکام کی اساس قرار دے کر اس کی پوری حقیقت واضح کر دی، معلوم ہوا کہ تقوی راس الاعمال ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ثواب اس چیز پر نہیں ملتا جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت کیا ہے بلکہ اس کے اس ارادہ اور عمل پر ملتا ہے چنانچہ تقوی سے جو علم اس کے اندر ابھرتا ہے وہ اس کی نیکی اور صالحیت ہے۔ اسی وجہ سے وہ اعمال میں داخل ہے اور یہی سبب ہے کہ تقوی پہلے نیکی اور تمام علمی اور عملی خوبیوں کی اصل ہے اور اسی بنیاد پر وہ راس الحکمۃ بھی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے "ھدی للمتقین" کا نظم درحقیقت اسی حکمت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ حدی اور تقوی کی معنوی وسعت کو ہم نے پچھلی فصلوں میں اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔

اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس چیز سے سورہ کا آغاز کیا جو اساس کا حکم رکھتی ہے یعنی حدی اور تقوی کا ذکر پہلے لایا گیا اور دونوں کو جس طرح فطرت کے اندر ساتھ ساتھ رکھا تھا اسی طرح یہاں بھی انہیں باہم مخلوط کر دیا اور ان کے واسطہ سے علم اور عقل دونوں ہی پہلوؤں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کے بعد ترتیب وار فروع کو بیان کیا ہے چنانچہ علم و نظر کے پہلو کی رعایت سے ایمان بالغیب کا تذکرہ کیا۔ پھر عمل کے پہلو کے لحاظ سے نماز اور انفاق کا ذکر کیا اور نماز کو انفاق پر مقدم کر کے یہ بتا دیا کہ واجب ہونے کے اعتبار سے وہ اول اور وسیع تر عمل ہے نیز نماز کے سب سے مقدم عمل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ خالصۃ عبد اور رب کے درمیان کی چیز ہے جب کہ انفاق ایک بندہ اور

دوسرے بندے کے درمیان کا معاملہ ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ دونوں اعمال شریعت کے تمام حکموں میں سرفہرست ہیں۔

اس کے بعد ان باتوں کا ذکر کیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے یہاں پر کلام کا رخ سورہ کی پہلی بات یعنی کتاب الٰہی کے ذکر کی طرف موڑ دیا ہے اور اس کے ساتھ آخرت پر یقین کو جوڑ دیا ہے کیوں کہ وہ جیسا کہ پہلے گزرا تقوی کی بنیاد ہے۔ آگے بات پھر حدی کی آگئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور جس کو وہ اپنے وعدہ کی تکمیل اور ہدایت کی فطری نعمت کے اتمام کی خاطر انہیں بخشے گا۔

آخر میں ہدی کے نتیجہ یعنی اس فلاح و کامرانی کے متعلق خبر دی ہے جو صراط مستقیم پر چلنے کے صلہ میں اور دین میں مطلوب تزکیہ کے منازل طے کر لینے کے نتیجہ میں جس کے لئے بندہ ہمہ آن کوشاں رہتا ہے حاصل ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. (شمس: ۹) فلاح یاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا۔

تذکرہ

پیش نظر رہے کہ تقوی تمام اعمال میں سرفہرست ہے۔ جس طرح ہدی تمام علوم میں سب سے اوپر ہے اسی لئے دونوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى. (علق: ۱۱۔۱۲) بھلا دیکھو تو اگر وہ ہدایت پر ہوا یا تقوی کا حکم اس نے دیا۔

پیغمبر کا پہلا کام انذار ہوتا ہے تاکہ لوگوں میں خدا کا خوف پیدا ہو یہ چیز عقل کو بیدار کرتی ہے اور نفس کو بے لگام ہونے سے روکتی ہے اس سے متعلق بہت سی آیتیں ہیں۔

نیز یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ جس طرح تقوی تمام اعمال میں سرفہرست ہے اسی طرح نماز بھی ہے مزید یہ کہ تقوی میں رک جانے کی صفت ہے اور نماز میں رجوع ہونے کی۔ تقوی غلط اقدام سے باز رہنے کا نام ہے لہٰذا اسے عمل پر تقدم حاصل ہے اور غلط اقدام سے رک جانا ہی عقل کا پہلا ظہور ہے اسی وجہ سے عقل کو عقل (باندھنے والی چیز)، حجر (ایسے امور سے روکنے والی جو انسان کے لائق نہ ہوں) اور نھی (قبیح چیزوں سے باز رکھنے والی) کہا گیا ہے۔

ان باتوں کی تفصیل اسی سورہ کی تفسیر کے مقدمہ کی دسویں فصل میں ہم نے کر دی ہے جہاں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یہ سورہ اس بعثت کے تمام اوصاف کی جامع ہے۔ اگر ان امور پر آپ غور کریں جن کا ہم نے وہاں پر تذکرہ کیا ہے تو آپ کو نظر آئے گا کہ یہ مجموعہ آیات ان سے غایت درجہ مطابقت رکھتا ہے اور پوری سورہ کی جھلک اس کے اندر موجود ہے۔

اوپر جو باتیں ہم نے بیان کی ہیں ان سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس مجموعہ آیات کے نظم میں اساسی چیز پہلے آئی ہے پھر اس کے فروع لائے گئے ہیں یعنی ایک سلسلہ اسباب قائم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کلام انگوٹھی کے حلقہ کی شکل میں اپنی ابتدا کی طرف گھوم کر آ گیا ہے جس میں ہدی اور تقوی کا جوہر جسے اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے ایک نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے ان ہی دونوں سے اعمال کا دائرہ نکل کر پھیلتا ہے جس نے تمام اچھائیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے، یہاں تک کہ ھدی اور تقوی کی اصل یعنی کتاب الہی پر ایمان اور یوم آخرت کے یقین پر پہنچ کر ختم ہوا۔

تیسرا نکتہ

اس مجموعہ آیات کا مابعد کی آیتوں یعنی "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...... سے لے کر آگے کی بیس آیتوں سے ربط:

اس سلسلہ کی دو آیتیں یعنی "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...... تا ...... لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" مقابلہ کے طور پر آئی ہیں۔ یہی اسلوب سورہ فاتحہ کے آخر میں بھی ہے وہاں منعم علیہم کے ذکر کے بعد مغضوب علیہم اور ضالین کا ذکر آیا ہے، اسی طرح پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے والے متقین کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے مد مقابل کافروں اور منافقوں کے گروہ کا بیس آیتوں تک تذکرہ ہے چنانچہ خدائے عزیز و حکیم نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۶) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۷) (جاری ہے)

❁❁❁❁

مولانا امین احسن اصلاحی

درس صحیح بخاری

کتاب فی الخصومات (اختلافی معاملات کے بارے میں کتاب)

۲. بَابُ: مَنْ رَدَّ اَمْرَ السَّفِيْهِ وَالضَّعِيْفِ الْعَقْلِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ حَجَرَ عَلَيْهِ الْاِمَامُ، وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ عَلَى الْمُتَصَدِّقِ قَبْلَ النَّهْيِ ثُمَّ نَهَاهُ. وَقَالَ مَالِكٌ اِذَا كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَجُلٍ مَالٌ" وَلَهُ عَبْدٌ " لَا شَيْءَ لَهُ غَيْرُهُ فَاَعْتَقَهُ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ وَمَنْ بَاعَ عَلَى الضَّعِيْفِ وَنَحْوِهِ فَدَفَعَ ثَمَنَهُ اِلَيْهِ وَاَمَرَهُ بِالْاِصْلَاحِ وَالْقِيَامِ بِشَاْنِهِ فَاِنْ اَفْسَدَ بَعْدُ مَنَعَهُ لِاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ، وَقَالَ لِلَّذِي يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ وَلَمْ يَاْخُذِ النَّبِيُّ ﷺ مَالَهُ.

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جس نے سفیہہ کو یا ضعیف العقل کے کسی اقدام کو خود ہی رد کر دیا۔ اگرچہ حاکم نے اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی تو یہ جائز ہے۔

ترجمہ: اور حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صدقہ کرنے والے کے صدقہ کو منع کرنے سے پہلے باطل کر دیا اور پھر اس کو منع کر دیا۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذمہ کچھ مال باقی ہے اور اس کا ایک غلام ہے جس کے سوا اس کے پاس کوئی اور چیز نہیں ہے اور وہ اس کو آزاد کر دے تو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور جس نے کسی ضعیف یا کمزور کے مال کو بیچ دیا اور اس کے بعد اس کی قیمت اس کے حالات کی اصلاح کے لیے اس کے حوالہ کر دی کہ اس کو یوں بہتر طریقہ پر استعمال کرو تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ مال برباد کرے تو اس کو پابند کیا جا سکتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مال کو برباد کرنے سے منع کیا ہے اور جو شخص معاملہ میں دھوکا کھا

جاتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تعلیم دی کہ لا خلابۃ کہہ دیا کرو لیکن اس کا مال نہیں لے لیا۔

وضاحت: اس باب میں کچھ تعلیقات ہیں جن کی نوعیت نوٹس کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں جو روایت نقل ہوگی اس سے ان ان مسائل کا استنباط کیا جائے گا۔

پہلا نوٹ یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی بے وقوف یا کسی ضعیف العقل کے کسی اقدام کو خود ہی رد کر دیا اگرچہ امام نے اس پر پابندی عائد نہیں کی تھی تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ امام سے مطلب حاکم یا حکومت ہے یعنی حکومت نے تو پابندی عائد نہیں کی لیکن کسی نے ایسا کر دیا تو یہ درست ہے۔ میرے نزدیک اس شخص کے اولیاء بھی ایسا کر سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ حکومت پابندی عائد کر دے تو پھر یہ قانونی چیز ہو جاتی ہے۔ احناف اس کو نہیں مانتے۔ ان کے ہاں سفیہ کے اوپر اس طریقہ کی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے نزدیک اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ کے مسلک کے بیان کرنے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔

باب میں دوسری تعلیق حضرت جابرؓ کی روایت ہے اور یہ اس مدبر کے واقعہ سے متعلق ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے باطل کر دیا تھا۔ لیکن یہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ ہے اور امام صاحب نے اس کو یہاں لا کر غلط کیا ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں حصدق کے اوپر پابندی عائد کر دی گئی حالانکہ اس سے پہلے عدالتی فیصلہ نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ یہاں عدالت کہاں تھی، آنحضرت ﷺ خود ہی عدالت تھے اور پھر اس کے بعد روک بھی دیا۔ اس روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم نے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ ٹھیک نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص کا آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غلام کو نیلام کر دیا اور رقم اس شخص کے حوالے کر دی اور فرمایا کہ اس طریقہ سے خرچ کرو۔ اس سے امام صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قبل اس کے حکومت کا کوئی نوٹس ہو رسول اللہ ﷺ نے روک دیا حالانکہ حکومت حضور ﷺ خود ہی تھے اور روکا نہیں تھا بلکہ مشفقانہ ایک رہنمائی دی تھی کہ یوں کرو۔ امام صاحب کا یہ نوٹ بالکل غیر متعلق ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ کیا تھا وہ خیر خواہی کا ایک مشورہ تھا۔

کسی کمزور یا ضعیف کے مال کو بیچ کر قیمت اس کے حوالے کر دینا اور مشورہ دینا کہ بہتر طور

پر خرچ کرو یہ سب نیکی کے کام ہیں۔ ہر بزرگ کو چاہیے کہ چھوٹوں کے معاملہ میں اس طریقہ کا مشورہ دے کہ یہ فضول خرچی نہ کرو، یہ نیکی کرو تو اس میں سوچ کر خرچ کرو۔

باب میں تیسرا نوٹ امام مالکؒ کا قول ہے جو اسی مدبر غلام والی روایت پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے ذمہ کچھ قرض ہو اس کو بہت صدقہ خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نیکی کا اچھا مشورہ ہے لیکن حجر کے تحت یہ چیز نہیں آتی۔

جو شخص اپنی کم عقلی کے باعث لوگوں سے معاملہ کرتے وقت دھوکا کھا جاتا تھا نبی ﷺ نے اس کو تعلیم دی کہ معاملہ کے وقت لا خـــلابۃ کہا کرو۔ اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اس کے مال پر قبضہ نہیں کیا۔ اس سے تو احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ احناف سفیہ کے مال پر قبضہ کے قائل نہیں ہیں۔

لا خـــلابۃ کوئی منتر کا کلمہ نہیں ہے بلکہ اس سے بیع خیار کا حق نکل آتا ہے، جیسا کہ پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مال تو میں لے جاتا ہوں لیکن بعد میں کوئی خرابی ظاہر ہوئی یا دھوکہ معلوم ہوا تو مال واپس کرنے کا حق ہوگا۔

۵. حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَجُلٌ "يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ يَقُولُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو خرید و فروخت میں دھوکا دیا جاتا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ خرید و فروخت کے وقت یوں کہہ دیا کرو کہ دھوکے کا کام نہیں ہوگا تو وہ کہہ دیتا تھا۔

وضاحت: اس حدیث کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۶. حَدَّثَنَا عَاصِمُ ابْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ عَبْدًا لَهُ لَيْسَ لَهُ مَالٌ" فَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ

فَابْتَاعَهُ مِنْهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ.

ترجمہ: حضرت جابر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام آزاد کر دیا اور اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی آزادی رد کر دی اور نعیم بن نحام نے اس کو اس سے خریدا۔

وضاحت: اس حدیث کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۳. باب: كَلَامِ الْخُصُومِ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ

باب: اس بارے میں کہ معاملہ کے دو فریق ایک دوسرے کے باب میں کس حد تک کچھ کہہ سکتے ہیں۔

مطلب یہ کہ تنازع پیدا ہوا تو جھگڑا ہوگا تو تو میں میں ہوگی تو آخر اس کے حدود کیا ہوں گے۔

۷. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ " أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ " لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ، فَقَالَ الْأَشْعَثُ فِيَّ وَاللَّهِ كَانَ ذَلِكَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ، فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ احْلِفْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذًا يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

ترجمہ: عبداللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی جھوٹی قسم اس لیے کھائی کہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کر لے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ اشعث کہتے ہیں کہ یہ بات میرے بارے میں ہے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کا قضیہ تھا۔ وہ مجھے زمین دینے سے انکار کرتا

تھا تو میں اس کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو میں نے جواب دیا کہ نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تم قسم کھاؤ۔ اس پر میں نے کہا کہ یا رسول اللہ قسم تو وہ کھالے گا اور میرے مال لے اڑے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ آخر آیت تک

وضاحت:

فقہ کا مشہور اصول ہے کہ اگر کوئی مقدمہ ہے تو مدعی پر ذمہ داری ہے کہ وہ دلیل پیش کرے اور اگر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔ مدعی کوئی دعویٰ اپنی قسم سے نہیں ثابت کر سکتا۔ اگر وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکا اور مدعیٰ علیہ قسم کھالے تو بہر حال مقدمہ کا فیصلہ کرنے والی چیز یہ قسم ہوگی۔ اس روایت سے ایک بات اور بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر فریق ثانی کے متعلق معلوم ہو کہ لغو اور لاطائل آدمی ہے، بے اعتبار ہے، تو مدعی اس کی قسم پیشگی رد کر سکتا ہے۔

روایت کا یہ ٹکڑا کہ یہ آیت إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ...... آخر آیت تک، اس وقت نازل ہوئی تو آیت اپنا موقع و محل رکھتی ہے۔ اس میں حکم ہوتا ہے تو بہتوں پر منطبق ہوتا ہے۔ آپ پر بھی منطبق ہوتا ہے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں میرا معاملہ بھی موجود ہے، لیکن یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جتنی روایتوں میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ فی انزل یا فانزل اللہ تو مطلب یہ لیجیے کہ راوی یہ کہنا چاہتے ہیں یہ آیت میرے بارے میں بھی اپنا حکم رکھتی ہے۔

۸. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ

فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ.

ترجمہ: کعب بن مالک کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن ابی حدود سے مسجد میں قرض کا تقاضا کیا جو اس کے ذمہ تھا تو دونوں کی آوازیں اتنی بلند ہو گئیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حجرہ میں سن لیا۔ آپ ان کی طرف نکلے اور حجرہ کا پردہ اٹھا کر آواز دی 'اے کعب' تو کعب نے جواب دیا حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا اپنے قرض میں سے اتنا قرض کم کر دو۔ آپ نے نصف کم کرنے کا اشارہ کیا تو کعب نے کہا میں نے چھوڑ دیا یا رسول اللہ۔ آپ نے ابن ابی حدود سے فرمایا چل اٹھ، اس کا قرض ادا کر۔

وضاحت:

واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے سمع وطاعت۔ کعب بن مالک اپنے حق کے لیے جھگڑ رہے تھے آنحضرت ﷺ نے مداخلت کی اور معاملہ کو ختم کرنے کے لیے کعب کو آدھا قرض چھوڑنے کو کہا تو حضرت کعب نے کہا منظور ہے یا رسول اللہ۔ اب یہ باتیں کہاں۔

9. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَؤُهَا، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقْرَأَنِيْهَا، وَكِدْتُ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ اَمْهَلْتُهُ حَتّٰى انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ، فَجِئْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ لِيْ اَرْسِلْهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ اِقْرَأْ فَقَرَأَ قَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيْ اِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان پڑھتے ہوئے سنا، اس سے مختلف طریقہ پر جس پر

میں پڑھتا تھا اور مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا تھا۔ قریب تھا کہ میں اس پر جھپٹ پڑوں لیکن صبر کیے رہا اور جب وہ پڑھ چکے تو ان کے گلے میں چادر ڈال کر ان کو گھسیٹا اور آنحضرت ﷺ کے پاس لے آیا۔ میں نے کہا کہ میں نے ان کو سورہ فرقان پڑھتے سنا اس سے مختلف طریقہ پر جس پر آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کہا اس کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا کہ پڑھو تو ہشام نے پڑھی۔ آپ نے فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تم پڑھو تو میں نے پڑھی، فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ سات حروف پر قرآن نازل ہوا ہے تو تم پڑھو جو میسر آجائے۔

وضاحت:

اس سے اوپر روایت گزری ہے اس میں نام زہری بیان کیا ہے اور یہاں ابن شہاب ہے۔ یہ چیزیں بھی بڑی مغالطہ انگیز ہوتی ہیں اس لیے کہ ہر شخص اتنا متنبہ نہیں ہوتا۔ لوگوں کا نام متعین طریقہ سے لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ کون راوی ہے۔ کیا اس سے یہ شبہ نہیں ہوتا کہ ناموں میں کھیلا محض روایت کو باور کرانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ یہ میں نے اس لیے بتا دیا ہے کہ یہ روایت بہت خطرناک ہے۔ شیعہ حضرات نے قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے کے لیے جو روایتیں گھڑی ہیں ان میں ابن شہاب کی یہ روایت بھی ہے۔

اس روایت میں پہلا سوال یہ ہے کہ ان القرآن انزل علی سبعة احرف کا مطلب کیا ہے۔ شارحین نے ایک نہیں، دو نہیں، بلکہ پورے دس قول اس کی توجیہ میں نقل کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق بھی دی کہ کہتے ہیں کہ کوئی قول بھی قابل قبول نہیں ہے۔ میں یہ اقوال نقل نہیں کر رہا، آپ لوگ شرحوں میں دیکھ لیں۔ اب اگر سبعہ احرف کا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید کا ہر حرف سات طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ تو اس آسمان کے نیچے قرآن سمیت ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جس کو سات طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہو۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بعض الفاظ ہیں کہ سات طریقہ سے پڑھے جا سکتے ہیں تو یہ بات بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرأتوں کا جو اختلاف ابن جریر وغیرہ میں درج ہوا ہے، اور میں زندگی بھر اس فن کا مطالعہ کرتا رہا ہوں تو اس میں کسی لفظ کی قرأت مجھے تین سے زیادہ نہیں ملی۔

زیادہ تر دو قرأتیں ہیں جن میں اختلاف ہے۔ سات قرأتیں تو کجا کسی لفظ کی چار یا پانچ قرأتیں بھی نہیں ہیں۔

اگر سبعۃ احرف کا مطلب یہ لیں کہ عرب کے سات بڑے قبائل کی زبان اس میں استعمال ہوئی ہے تو جملے کا ایک محل یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی لفظ ایک قبیلہ کی زبان کا اور کوئی دوسرے قبیلہ کی زبان کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ بات قرآن مجید کے نص کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے اس کو تمہاری زبان میں اتارا ہے۔ 'بلسانک' کا لفظ خاص ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب آنحضرت ﷺ سے ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن آنحضرت ﷺ کی زبان میں نازل ہوا ہے اور آپ کی زبان قریش کی زبان تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے قریش میں سے ہونے اور ان کی زبان بولنے پر فخر بھی کیا ہے اور اسی زبان میں قرآن نازل ہوا۔

روایت میں آخری ٹکڑا ان القران انزل علی سبعۃ احرف یہاں ابن شہاب نے ٹھونس دیا ہے۔ یہ ٹکڑا یہاں جوڑ دینے سے روایت بالکل دوسری ہو گئی ہے لیکن اس ٹکڑے کا ایک محل ہے بشرطیکہ آپ اس کو یہاں سے ہٹائیں۔ اس کی توجیہ میں نے آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر: ۸۷) کے تحت اپنی تفسیر تدبر قرآن میں کر دی ہے۔ میرے نزدیک قرآن مجید سات گروپوں یا سات ابواب میں ہے اور ہر گروپ میں سورتیں جوڑے جوڑے ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ تمام گروپوں میں تعلیمات کی نوعیت بدلتی جاتی ہے۔ ہر گروپ کا ایک عمود یعنی مرکزی مضمون ہے۔ کسی گروپ کا مرکزی مضمون توحید ہے تو کسی کا رسالت اور کہیں قیامت کا مضمون ہے تو کہیں تاریخ انبیاء کا۔ مفسرین سبعا من المثانی کی تاویل سورہ فاتحہ سے کرتے ہیں لیکن سورہ فاتحہ میں چھ آیتیں ہیں' ساتویں اختلافی ہے۔ دوسرے یہ کہ مثانی کے معنی اگر آپ یہ کرتے ہیں کہ بار بار دہرائی جانے والی تو مثانی کے یہ معنی ہوں تب! مثانی تو قرآن میں واحد بھی استعمال ہوا ہے اور جمع کی شکل میں بھی استعمال ہوا ہے اور یہ دو دو کے معنی میں ہے۔

میری توجیہ کی روشنی میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان القرآن انزل علی سبعۃ

احرف تو مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید سات اسلوبوں پر نازل ہوا ہے۔ حرف کا لفظ اسلوب کے معنی میں بھی آسکتا ہے، عبارت کے معنی میں بھی آسکتا ہے۔ اس طرح بات ٹھیک ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا محل الگ ہوگا اور ابن شہاب نے یہاں اس کو قرآن مجید سے متعلق انتشار برپا کرنے کے لیے جوڑ دیا ہے۔ ابن شہاب کے بارے میں خود شارحین حدیث بھی کہتے ہیں کہ روایت میں مختلف ٹکڑوں کو اس طرح جوڑ دیتا ہے کہ کہاں کی روایت ہوتی ہے اور کہاں لے آتا ہے۔ اس طرح کی پیوند کاری اس روایت میں بھی کی گئی ہے۔

پیچھے جو روایت گزری ہے اس میں عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ کی تکرار بیان ہوئی ہے اور اس روایت میں ہشام بن حکیم بن حزامؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین قرأت کا جھگڑا بتایا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ تینوں صحابہ مکی ہیں جہاں قریش ہی کی زبان تمام علاقائی لہجوں پر حاوی تھی لہٰذا ان تینوں صحابہ کا محاورہ ایک ہی تھا۔ جب قرآن نے خود بتا دیا کہ یہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے تو ان صحابہ کے قرآن کو ایک دوسرے سے مختلف طور پر پڑھنے کی حاجت کیا تھی۔ اور اگر یہ لغت قریش سے ہٹ کر تلاوت کر رہے تھے تو آپؐ نے کلا کما محسن (تم دونوں نے خوب پڑھا ہے) کے الفاظ سے ایک ایسا موقف کیوں اختیار کیا جس سے غلط فہمیاں جنم لے سکتی تھیں۔ دونوں روایتوں میں حضرت عمرؓ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش واضح طور پر نظر آتی ہے۔ گویا ایک غصیلا شخص بلا وجہ ہر شخص کے درپے ہو جاتا ہے۔ یہ شیعہ کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ حضرت عمرؓ کو غلط روپ میں پیش کیا جائے۔

روایات کے مطابق سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں بعض الفاظ میں قرأت کا اختلاف ہوا۔ مرکز میں رپورٹ ہوئی۔ خلیفہ راشد نے ان لوگوں کو جو قرأتوں سے واقف تھے جمع کر کے نص قرآن کی روشنی میں قریش کی قرأت پر صاد کیا اور اس قرأت پر تمام اختلافات کو رفع کیا۔ اس قرأت پر مصاحف کی نقلیں کروا کر تمام مراکز میں بھجوا دیں۔ یہی قرأت عامۃ المسلمین کی قرأت ہے اور مجمع علیہ ہے۔ یہ قرأت بعد میں قرأت حفص کہلائی۔

اب اگر کوئی قرأت اس کے علاوہ رائج ہو گئی ہے تو وہ قرأت شاذ ہے جس پر قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ یہ لفظ یوں بھی پڑھا جا سکتا ہے

اور یوں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس لیے موجودہ زمانے کے ابلیسوں نے جونئی قرأتوں پر قرآن کا چھاپنا شروع کیا ہے وہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جائے کہ جتنے قرآن دوسری قرأتوں پر ہیں سب کو سوختہ کرا دے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ آپ اس طرح کا کوئی قرآن بھی اپنے ہاتھوں میں نہ لیں۔

۴. باب: اِخْرَاجِ اَهْلِ الْمَعَاصِي وَالْخُصُومِ مِنَ الْبُيُوتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ وَقَدْ اَخْرَجَ عُمَرُ اُخْتَ اَبِي بَكْرٍ حِيْنَ نَاحَتْ.

باب: اس بارے میں کہ مجرموں اور شریروں کو پہچان لینے کے بعد گھروں سے نکالا جائے اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بہن کو، جبکہ وہ نوحہ کرنے لگیں، نکلوا دیا۔

وضاحت:

روایت کو یہاں امام صاحب نے بطور تعلیق نوٹ کیا ہے، اس کی رو سے حضرت ابو بکرؓ کی جب وفات ہوئی تو ان کی بہن ان کے گھر میں آ کر نوحہ کرنے لگیں۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہیں باہر نکلوا دیا۔ نوحہ سے مطلب وہ نوحہ ہے جو شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ جاہلیت میں میت پر نوحہ کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا، عورتیں سر اور چھاتی پیٹتی تھیں اور خاص طریقہ پر بین کرتی تھیں اور وہ بین بڑا دلدوز ہوتا تھا۔ اسلام نے نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سیدنا ابو بکرؓ کی ہمشیرہ پرانے زمانے کی خاتون تھیں اور ضروری نہیں کہ انہیں معلوم ہو کہ اسلام میں نوحہ منع ہے۔
اس روایت میں مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے اس نوحہ کا اہتمام کیا تھا۔ سیدہ عائشہؓ کے بارے میں یہ بات تصور بھی نہیں کی جا سکتی کہ اس طریقہ کے نوحہ کا انتظام وہ کریں گی۔ روایت منقطع ہے اور اس پر سب محدثین متفق ہیں۔ معلوم نہیں کہ امام صاحب نے ایک بے سر و پا روایت یہاں کیوں دی ہے۔

۱۰. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ

اِبْرَاهِيْمَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى مَنَازِلِ قَوْمٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو حکم دوں تو نماز قائم کی جائے اور میں خود ان لوگوں کی طرف نکلوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان سمیت گھروں کو آگ لگا دوں۔

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر اپنے قہر و غضب کا اظہار فرمایا ہے جو نماز کا وقت ہونے پر اذان سنتے ہیں لیکن اپنے مشاغل کو ترک کر کے مسجد میں پہنچ کر نماز با جماعت ادا نہیں کرتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا کہ لوگوں کو نماز قائم کرنے یعنی نماز کے لیے صفیں بنانے کا حکم دوں۔ جب وہ ایسا کر لیں تو میں گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جس سے وہ لوگ بھی جل جائیں۔

اس روایت کا باب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور باب میں تعلیق کے طور پر جو ہدایت دی گئی ہے وہ منقطع ہے۔ امام صاحب کے اپنے معیار پر کوئی روایت ہوتی اور وہ اس کا حوالہ دیتے تو ان کا موقف ثابت ہوتا۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

❀❀❀❀

> انفاق مال میں خیر و برکت پیدا کرتا ہے۔ عالم دین کے لیے انفاق کرنا ضروری ہے تاکہ اسے حکمت حاصل ہو سکے خواہ اس کے لیے اسے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔
>
> (مولانا امین احسن اصلاحی)

مولانا امین احسن اصلاحی

درس موطا امام مالکؒ

کتاب الضحایا

قربانی کی کتاب ضحیہ یا اضحیہ قربانی کے لیے آتے ہیں۔ ان کا مادہ 'ضحي' ہے۔ اس کے معنی کسی کام کو چاشت کے وقت کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ غالباً اس لیے استعمال ہوتا ہوگا کہ چاشت کا وقت ہی قربانی کا وقت ہے ورنہ مادے میں قربانی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اضحیہ کی جمع اضاحی آتی ہے اور ضحیہ کی جمع ضحایا ہے۔

باب: مَايُنْهٰى عَنْهُ مِنَ الضَّحَايَا ''وہ قربانیاں جو ممنوع ہیں''۔

۱۔ حدثنی يَحْيىٰ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ فَيْرُوْزٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقَى مِنَ الضَّحَايَا؟ فَأَشَارَ بِيَدِهِ وَقَالَ أَرْبَعاً، وَكَانَ الْبَرَاءُ يُشِيْرُ بِيَدِهِ وَيَقُولُ يَدِي أَقْصَرُ مِنْ يَدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِيo

ترجمہ: براؓ بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس طرح کی قربانیوں سے بچنا چاہیے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا چار چیزیں ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ براؓ اپنے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ میرے ہاتھ رسول اللہ کے ہاتھ سے چھوٹے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جانور لنگڑا ہو اور اس کا لنگڑا پن واضح ہو، کانا ہو اس کا کانا پن بھی واضح ہو، مریض ہو اور اس کا مرض بھی واضح ہو، اور لاغر ہو، چربی اس کی بالکل ختم ہو چکی ہو۔

وضاحت: لنگڑا، کانا، مریض بیمار جانور اپنے لیے حقیر سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کو نہیں پیش کرنا چاہیے ویسے تو دیا ہوا سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ غریب سے غریب آدمی کو بھی اپنی طاقت کے اندر جو کچھ ہے بہتر سے بہتر پیش کرنا چاہیے۔ لیکن اس معاملہ میں زیادہ فقیہانہ تشدد بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اگر آنکھ ذرا پھولی ہوئی ہے یا جانور میں ذرا سا لنگ ہے تو محض اس طرح کے عذر پر نہیں بلکہ بدنما طریقہ سے کوئی خرابی ہو اور معلوم ہو کہ قدر و قیمت گھٹ جائے گی تو ایسے کسی عیب کی موجودگی میں اس کی قربانی نہیں پیش کرنا چاہیے۔ البین کے لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہو تب کسی معمولی عذر کا لحاظ نہیں ہوگا۔

۲۔ حدثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَّقِي مِنَ الضَّحَايَا وَالْبُدْنِ الَّتِي لَمْ تُسِنَّ وَالَّتِي نَقَصَ مِنْ خَلْقِهَا. قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ.

ترجمہ: نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ جس طرح کے قربانی کے جانوروں یا جس طرح کے اونٹوں سے بچتے تھے ایک تو وہ ہیں جنہوں نے ابھی دانت نہ نکالے ہوں اور یہ کہ وہ ناقص الخلقت ہوں۔ مالک کہتے ہیں کہ اس بارے میں یہ پسندیدہ بات ہے جو میں نے سنی ہے۔

وضاحت: ایک تو یہ ہے کہ جانور اتنا کم سن ہے کہ ابھی دانت نہیں نکالے اور ناقص الخلقت سے مطلب ہے کہ پیدائشی طور پر اس میں کوئی نقص ہے۔ لم تسن کے معنی اگر یہ ہیں کہ ابھی دانت نہ نکالے ہوں تو مطلب یہ کہ عمر اتنی کم نہ ہو کہ ابھی وہ قربانی کے لیے صحیح طریقہ پر موزوں نہ ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ میں فقہا سن ہی کی قید لگاتے ہیں۔ اونٹ میں 5 سال، گائے میں 2 سال اور بکری وغیرہ میں ایک سال کی قید ہے۔ یعنی وہ اس قابل ہو جائے کہ قربانی کیا جا سکے یوں ہی چھوٹا سا بچہ پکڑ کر نہ قربان کیا جائے۔

آخر میں امام مالک بتاتے ہیں کہ میرا مذہب بھی یہی ہے اور یہ ان کا ہی نہیں بلکہ سب کا مذہب ہے۔

باب: مایُسْتَحَبُّ مِنَ الضَّحَایَا   محبوب قربانی

۳۔ حدثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ضَحّٰی مَرَّةً بِالْمَدِیْنَةِ قَالَ نَافِعٌ فَأَمَرَنِی أَنْ أَشْتَرِیَ لَهُ كَبْشًا فَحِیلًا أَقْرَنَ ثُمَّ أَذْبَحَهُ یَوْمَ الْأَضْحٰی فِی مُصَلَّی النَّاسِ قَالَ نَافِعٌ فَفَعَلْتُ ثُمَّ حُمِلَ إِلٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ حِینَ ذُبِحَ الْكَبْشُ وَكَانَ مَرِیضًا لَمْ یَشْهَدِ الْعِیدَ مَعَ النَّاسِ. قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ یَقُولُ: لَیْسَ حِلَاقُ الرَّأْسِ بِوَاجِبٍ عَلٰی مَنْ ضَحّٰی وَقَدْ فَعَلَهُ ابْنُ عُمَرَ.

ترجمہ: نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ مدینہ میں قربانی کی تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میرے لیے ایک جوان' سینگ والا مینڈھا خریدنا پھر اس کو قربانی کے لیے ان لوگوں کی نماز کی جگہ پر ذبح کرنا۔ نافع کہتے ہیں میں نے یہ کیا اور ذبح کیا ہوا مینڈھا عبداللہ بن عمرؓ کے پاس لے جایا گیا تو انہوں نے اپنا سر منڈایا جب مینڈھا ذبح کیا گیا اور وہ بیمار تھے اور عید کی نماز میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔ نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ جو قربانی کرے اس پر سر منڈوانا واجب نہیں ہے اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہ کیا ہے۔

وضاحت: عبداللہ بن عمرؓ نے مدینہ میں قربانی کی یعنی کہ حج کے موقع کی قربانی نہیں ہے بلکہ جس طریقہ سے ہم اور آپ یہاں کرتے ہیں انہوں نے مدینہ میں قربانی کی ہے۔

سر منڈوانا واجب نہیں تو مطلب یہ کہ یہاں نہیں ہے' منیٰ میں قربانی کریں تو آپ سر منڈوائیں گے۔ ان کے نزدیک یہاں (منیٰ مدینہ میں یا جہاں کہیں بھی ہو) یہ واجب نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہاں قربانی واجب نہیں تو سر منڈانا تو بعد کی چیز ہے۔ یہ قربانی احناف کے نزدیک واجب ہے لیکن عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک اور میرے نزدیک بھی یہاں قربانی واجب نہیں ہے۔ آپ کریں گے تو سعادت دارین ہے' نہیں کریں گے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ احناف قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں لیکن سر منڈانا ان کے ہاں بھی واجب نہیں ہے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں جو قربانی ہم کرتے ہیں یہ تو تشبہ ہے' حجاج کے ساتھ مشابہت ہے۔ اپنی طرف سے اس آرزو کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ موقع دے کہ ہم بھی وہاں جائیں اور منیٰ میں قربانی کریں۔ یہ بڑی چیز ہے۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو یہاں موقع مل جاتا ہے وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا تو چیز تو بڑی ہے۔ نیکی کا کام ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

باب: النَّهْیُ عَنْ ذَبْحِ الضَّحِیَّةِ قَبْلَ انْصِرَافِ الْإِمَامِ۔

ذبیحہ اس وقت تک نہیں کرنا چاہیے جب تک امام نماز پڑھ کر نہ لوٹے۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ صبح اٹھ کر آپ پہلا کام یہ کریں کہ قربانی کا جانور ذبح کر ڈالیں تاکہ گوشت پکتا رہے' کلیجی بھونی جاتی رہے اور نماز سے واپس آ کر آپ کھا لیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ آپ پہلے جا کر نماز پڑھیں پھر آ کر قربانی کریں۔

اس زمانے میں ایک مشکل ہے وہ یہ کہ صلاۃ الامام اس زمانے کی بات ہے جب امام اس طریقہ کے ہوتے تھے جیسا کہ اسلام میں ہے یعنی امیر اسلام میں امام ہوتا تھا یا کوئی اس کا مقرر کردہ نائب ہوتا تھا۔ لیکن ایک بات واضح ہے کہ قربانی نماز کے بعد ہونی چاہیے۔ اب بھی عمل اسی پر ہے اور اس میں کوئی زحمت نہیں ہے۔ انصراف الامام کا مطلب اس وقت تک تھا جب تک کہ امام باقاعدہ مقرر ہوتے تھے۔ آگے روایت میں آتا ہے کہ جب تک امام قربانی نہ کرے تب تک نہ کرو تو اس زمانے کے اماموں کو میں نے دیکھا ہے کہ اکثر وہ قربانی کرنے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے چنانچہ یہ سوال اس زمانے میں نہیں ہے۔ احناف کا مسلک اس معاملہ میں صحیح ہے' وہ کہتے ہیں کہ شہروں میں اس کی پابندی ہو سکتی ہے لیکن دیہات میں یہ پابندی ضروری نہیں ہے۔ غالباً ان کے زمانے میں صورت حال واضح ہو چکی تھی۔ لیکن یہ سارا جھگڑا غیر ضروری ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ نماز کے بعد قربانی کی جائے۔

۴۔ حدثنی یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیدٍ عَنْ بُشَیْرِ بْنِ یَسَارٍ أَنَّ أَبَا بُرْدَةَ بْنَ نِیَارٍ ذَبَحَ ضَحِیَّتَهُ قَبْلَ أَنْ یَذْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ الْأَضْحٰی فَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ

اللّٰهِ ﷺ اَمَرَهٗ اَنْ يَعُوْدَ بِضَحِيَّةٍ اُخْرٰى. قَالَ اَبُوْ بُرْدَةَ لَا اَجِدُ اِلَّا جَذَعًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَاِنْ لَمْ تَجِدْ اِلَّا جَذَعًا فَاذْبَحْ.

ترجمہ: بشیر بن یسار کہتے ہیں کہ ابو بردۃ نے قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کی تو ان کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ دوسری قربانی کریں۔ ابو بردۃ نے کہا کہ میرے پاس تو ایک چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہی ہے تو کہا کہ اگر تمہیں چھ ماہ کے بکری کے بچے کے سوا اور کچھ نہ ملے جب بھی قربانی کرو۔

وضاحت: 'زعم' کے معنی ہیں اس نے کہا اور 'جذع' بکری کے بچے کو کہتے ہیں جو قریباً چھ ماہ کا ہو۔ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قربانی مدینہ میں کی ہوگی۔ یہی روایت ہے جس سے سارے مسئلے پیدا ہوئے ہیں۔ انہوں نے نماز سے پہلے قربانی کردی۔ امام سے پہلے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کرنے سے پہلے کردی۔ مطلب یہ ہوگا کہ امام کا لحاظ رکھا جائے گا اور یہ وہاں ممکن ہے جہاں امام سرکار کی طرف سے مقرر ہو اور جہاں مقرر ہی نہ ہو وہاں صرف ایک ہی چیز کا لحاظ رکھا جائے گا کہ نماز کے بعد قربانی کی جائے۔

ابو بردۃ نے کہا کہ میرے پاس تو ایک ششماہی بچہ ہی ہے تو آپؐ نے کہا وہی کرو۔ الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بہرحال ششماہی بچہ موزوں نہیں ہے لیکن اگر کسی کو صرف یہی میسر ہے تو وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ یہ فرماتے ہیں کہ یہ خاص ابو بردۃ ہی کے لیے تھا اور کسی کے لیے نہیں ہے تو میرے نزدیک یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ دوسری روایت میں الفاظ یہ آئے ہیں کہ یہ خاص تمہارے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں لیکن اندیشہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ بعد والوں نے ملائے ہیں۔ یہ کچھ ابو بردۃ کے ساتھ خاص نہیں اور یہ مجبوری دوسروں کو بھی پیش آسکتی ہے۔

اس زمانہ میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مولوی لوگ ٹیڈی بکرے بکری کے معاملہ میں فتویٰ نہیں دیتے لیکن واقعہ ہے کہ اس دور میں یہ بھی کسی کو مل جائیں تو غنیمت ہیں اور پھر یہ ہے کہ یہ چھ مہینے ہی میں بالغ ہو جاتے ہیں تو قربانی میں جو مقصود ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس روایت کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ آپ بلا تکلف ان کی قربانی کرسکتے ہیں۔

یہ بات کہ یہ تمہارے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں تو اس کی تحقیق کیجیے' میرے نزدیک یہ بعد کا اضافہ ہے' اصل روایت میں نہیں ہے۔ امام مالک سے زیادہ اور کوئی قابل اعتماد نہیں ہوسکتا اور ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ خاص تمہارے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے۔

۵۔ حدثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ اَنَّ عُوَيْمِرَ بْنَ اَشْقَرَ ذَبَحَ ضَحِيَّتَهٗ قَبْلَ اَنْ يَغْدُوَ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَاَنَّهٗ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَعُوْدَ بِضَحِيَّةٍ اُخْرٰى.

ترجمہ: عباد ابن تمیم سے روایت ہے کہ عویمر بن اشقرؓ نے اپنی قربانی عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے کردی اور اس کا ذکر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ دوسری قربانی کرو۔

وضاحت: میرا استنباط اس روایت سے یہ ہے کہ نماز سے پہلے قربانی نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کی قید اس میں اتفاقی ہے۔ اس روایت میں صاف نماز کا ذکر ہے اور کسی چیز کا نہیں ہے۔

باب: اِدِّخَارُ لُحُومِ الضَّحَايَا

قربانی کا گوشت کتنے دن کے لیے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ حدثنی يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ كُلُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَتَزَوَّدُوْا وَادَّخِرُوْا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمایا پھر بعد میں آپ نے فرمایا کھاؤ' صدقہ کرو' زاد راہ کے طریقہ پر محفوظ کرو اور ذخیرہ کرو۔

وضاحت: پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن کھانے کی اجازت دی۔ قربانی کے دن اور اس کے بعد دو دن اور کھا سکتے ہیں۔ پھر آپ نے اجازت دے دی کہ کھاؤ، صدقہ کرو، زادِ راہ کے طور پر استعمال کرو اور ذخیرہ کرو یعنی آزادی حاصل ہے۔ اس میں ایک چیز تو واضح ہے کہ صدقہ بھی ہونا چاہیے باقی اور کسی چیز پر قدغن نہیں ہے۔ آپ نے پہلے جو منع کیا تھا اس کی توجیہہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں جو آگے آ رہی ہے کہ آپؐ نے وقتی ضرورت کے تحت اس سے روکا تھا۔

۷۔ حدثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ وَاقِدٍ أَنَّهُ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثَةٍ، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَقَالَتْ صَدَقَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُوْلُ: دَفَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ حَضْرَةَ الْأَضْحٰى فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَدَّخِرُوا لِثَلَاثٍ وَ تَصَدَّقُوا بِمَا بَقِيَ، قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ قِيلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَفِعُوْنَ بِضَحَايَاهُمْ وَ يَجْمِلُوْنَ مِنْهَا الْوَدَكَ، وَ يَتَّخِذُوْنَ مِنْهَا الْأَسْقِيَةَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا ذٰلِكَ أَوْ كَمَا قَالَ قَالُوا نَهَيْتَ عَنْ لُحُوْمِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ عَلَيْكُمْ فَكُلُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَادَّخِرُوا يَعْنِي بِالدَّافَّةِ قَوْمًا مَسَاكِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ. وحدثني عَنْ مَالِكٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ أَهْلُهُ لَحْمًا، فَقَالَ انْظُرُوْا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا مِنْ لُحُوْمِ الْأَضْحٰى؟ فَقَالُوْ هُوَ مِنْهَا، فَقَالَ أَبُو سَعِيْدٍ أَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْهَا، فَقَالُوا إِنَّهُ قَدْ كَانَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَكَ أَمْرٌ فَخَرَجَ أَبُوْسَعِيْدٍ فَسَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ فَأُخْبِرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْأَضْحٰى بَعْدَ ثَلَاثٍ فَكُلُوا وَ تَصَدَّقُوا وَادَّخِرُوا وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاِنْتِبَاذِ فَانْتَبِذُوا وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا، وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا يَعْنِي لَا تَقُوْلُوْا سُوْءًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن واقد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن بعد کھانے سے منع کیا ہے تو عبداللہ بن ابی بکر نے کہا کہ میں نے اس کا ذکر عمرۃ بنت عبدالرحمن سے کیا تو انہوں نے کہا یہ بات تو ٹھیک ہے منع کیا تھا لیکن میں نے حضرت عائشہؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، وہ فرماتی تھیں کہ بدویوں کا ایک قافلہ عین قربانی کے دن آ گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن کے لیے ذخیرہ کر لو اور باقی صدقہ کر دو۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب اس کے بعد قربانی کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی گئی کہ لوگ اپنی قربانیوں سے فائدہ اٹھاتے تھے چربی پگھلا کر جمع کر لیتے تھے اور کھالوں سے اپنے مشکیزے بنا لیتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہوا (یعنی اس میں کیا رکاوٹ ہو گئی) یا اس طرح کے الفاظ تھے تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو اس قافلہ کی وجہ سے منع کیا تھا جو اس وقت آ دھمکا تھا تو کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو۔

اور ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک سفر سے واپس آئے تو ان کے گھر کے لوگوں نے ان کے سامنے گوشت پیش کیا تو انہوں نے کہا دیکھ لینا کہیں یہ قربانی کا گوشت نہ ہو تو کہا کہ ہے تو یہ اسی میں سے تو ابوسعید خدری نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کیا تھا کہ اسے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کے بعد نئی ہدایت آ گئی تو ابوسعید نے کہا تحقیق کر لینی چاہیے اور انہوں نے لوگوں سے اس بارے میں پوچھا تو ان کو بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے روکا تھا لیکن اب کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔ اور میں نے تمہیں خاص شراب کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے روکا تھا لیکن اب تم اس میں نبیذ بناؤ اور یہ یاد رکھو کہ ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز حرام ہے اور میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا تو

اب قبروں کی زیارت کرو البتہ یہ ہے کہ فضول قسم کی باتیں نہ کرو۔

وضاحت: اس روایت سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ تین دن کی قید ان خاص حالات کے تحت وقتی تھی۔ بات قرینہ کی ہے اور اس روایت پر کوئی شبہ کرنے کی گنجائش کسی پہلو سے نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کھالیں آپ اپنے مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ بات تو ضرور ہے کہ قربانی کے گوشت میں صدقہ بھی ضرور ہونا چاہیے لیکن بعض لوگ جو ایک ثلث صدقہ کی قید لگاتے ہیں یہ حدیث میں نہیں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد والوں کی لگائی ہوئی ہے۔ امیر لوگوں کو تو روز گوشت کھانے کو ملتا ہے انہیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ صدقہ کریں اور فرج نہ بھرلیں البتہ غریب لوگ جتنا برت سکتے ہیں برت لیں باقی حسب توفیق صدقہ کردیں۔

ابوسعید خدری جب سفر سے واپس آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کے سامنے گوشت رکھا اور ان کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ قربانی ہی کا گوشت ہے تو انہوں نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کیا تھا کہ تین دن سے زیادہ مت کھانا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں کیا تو تھا لیکن اس کے بعد کچھ اور بھی بات ہوئی ہے یعنی بعد میں آپ کی طرف سے نئی ہدایت آگئی۔ ابوسعید خدری نے تحقیق کی تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت سے روکا تھا لیکن اب کھاؤ' صدقہ کرو اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو' اور میں نے تمہیں خاص قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے روکا تھا لیکن اب تم اس میں نبیذ بناؤ اور یاد رکھو کہ ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز حرام ہے۔ یہ خاص قسم کے برتن ہوتے تھے جن میں شراب بنائی جاتی تھی تو نبیذ بنانے کے لیے ان کے استعمال سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا نبیذ ان میں بنایا کرو تو نبیذ تو جائز بھی ہوسکتی ہے' کھجور کا پانی ہوتا ہے۔ اگر یہ نشہ کی حد تک نہ پہنچے تو مقوی بھی ہوتا ہے اور فرحت بخش بھی۔ اصل علت جو اس میں ہے وہ مسکر ہونا ہے۔ تب یہ ہے کہ کل مسکر حرام' اصل اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیا اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف انگور ہی کی شراب پر قدغن ہے تو یہ بات غلط ہے۔ البتہ اگر شراب کو سرکہ میں تبدیل کرلیا جائے تو میرے نزدیک یہ جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا بھی Fermentation ہوتا ہے تو اس میں مختلف مراحل ہوتے ہیں اور لازماً اس میں ایک دور جوش کا

ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کا استعمال کرلیں تو وہ کچھ کیفیت پیدا کرسکتی ہے۔ آپ نے سرکہ کے لیے رکھا ہے تو اس میں ایک دور میں یہ کیفیت پیدا ہوسکتی ہے لیکن اس کے اوپر آپ پر الزام نہیں ہے۔ آپ سرکہ بنا کر استعمال کرلیں چاہے ایک دور میں وہ جو کچھ بھی ہو۔ آپ نے بدنیتی کے ساتھ اگر یہ کیا تو بدنیتی کے ساتھ نماز بھی آپ غارت کرسکتے ہیں۔ بدنیتی کی بات اور ہے۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں زیارت قبور سے روکا تھا تو ان کی زیارت کرو البتہ یہ کہ فضول قسم کی باتیں نہ کرو۔ یعنی قبروں کی زیارت کا ایک طریقہ کہ وہ تھا کہ بطور مفاخرت کے جاتے تھے وہاں تقریریں جھاڑتے تھے اور فضول باتیں بھی کرتے تھے تو جاہلیت کی ان باتوں سے روکا تھا۔ قبروں پر جانا تو آخرت کے یاد دلانے والی چیز ہے' نیکی کی بات ہے لیکن قبروں پر جاکر نوحہ خوانی' قصیدہ خوانی جو ہوتی تھی تو اس قسم کی چیزوں سے روکا گیا ہے۔

بَاب: اَلشِّرْكَةُ فِى الضَّحَايَا وَعَنْ كَمْ تُذْبَحُ الْبَقَرَةُ وَالْبُدْنَةُ

قربانی میں کتنے شریک ہوسکتے ہیں! اور گائے اور اونٹ کی قربانی کتنے آدمیوں کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

۸۔ حدثنى يَحْيىٰ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِى الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّهُ قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔

وضاحت: میرے نزدیک یہ فتویٰ بالکل ٹھیک ہے۔ مالکیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک اونٹ آپ کا ہے اور آپ اس کی اپنی طرف سے اور اپنے کنبہ کی طرف سے قربانی کرسکتے ہیں چاہے آپ کے کنبہ پانچ یا سات یا دس افراد ہوں۔ ان سب کی طرف سے قربانی ہوجائے گی۔ لیکن اگر اس میں شرکت ہے' اتنا گوشت ہمارا حصہ ہے جیسا کہ ہوتا ہے' تو مالکیہ اس کو

جائز نہیں قرار دیتے۔ اس بات سے تو اس زمانے میں بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ اب یہ ہے کہ ایک گائے' سات آدمی کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک اس روایت کے ہوتے ہوئے اور جب کہ امام مالک نے خود اس کو نقل کیا ہے' تو کوئی وجہ نہیں کہ سات آدمی کی شراکت کو نہ مانیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا امکان نہیں ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنے کنبہ کے سات آدمی کا ذکر کیا ہے' یہاں تو مطلب یہ ہے کہ صحابہ میں سے جو سات تھے انہوں نے کہا ایک اونٹ ذبح کرو اور جاؤ ایک ایک حصہ رکھو' یہی ہوگا اس کے سوا اور کوئی شکل نہیں ہو سکتی' اس لیے یہ جائز ہے۔

۹۔ وَحدثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ يَسَارٍ أَخْبَرَاهُ أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ قَالَ: كُنَّا نُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ' يَذْبَحُهَا الرَّجُلُ عَنْهُ وَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ' ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ بَعْدُ فَصَارَتْ مُبَاهَاةً. قَالَ مَالِكٌ: وَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ وَالشَّاةِ أَنَّ الرَّجُلَ يَنْحَرُ عَنْهُ وَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ الْبَدَنَةَ وَ يَذْبَحُ الْبَقَرَةَ وَالشَّاةَ الْوَاحِدَةَ هو يَمْلِكُهَا وَ يَذْبَحُهَا عَنْهُمْ وَ يُشْرِكُهُمْ فِيهَا فَأَمَّا أَنْ يَشْتَرِيَ النَّفَرُ الْبَدَنَةَ أَوِ الْبَقَرَةَ أَوِ الشَّاةَ يَشْتَرِكُونَ فِيهَا فِي النُّسُكِ وَالضَّحَايَا' فَيُخْرِجُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ حِصَّةً مِنْ ثَمَنِهَا' وَ يَكُونُ لَهُ حِصَّةٌ مِنْ لَحْمِهَا فَإِنَّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ' وَ إِنَّمَا سَمِعْنَا الْحَدِيثَ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَكُ فِي النُّسُكِ' وَإِنَّمَا يَكُونُ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الْوَاحِدِ.

ترجمہ: عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ابو ایوب انصاریؓ نے ان کو خبر دی کہ ہم لوگ قربانی ایک بکری سے کرتے تھے۔ ایک آدمی اسے اپنی طرف سے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے ذبح کرتا تھا پھر لوگ فخر و مباہات میں مبتلا ہو گئے۔ مالک کہتے ہیں کہ بہترین بات جو میں نے سنی ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے اونٹ کو بھی گائے کو بھی اور بکری کو بھی ذبح کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کا مالک ہے اور سب کو شریک کرتا ہے اور رہی یہ بات کہ چند آدمی مل کر کے ایک اونٹ خریدیں یا گائے خریدیں یا بکری خریدیں اور اس میں وہ قربانی میں شریک ہوں اور ہر ایک اس میں اپنا حصہ اپنی قیمت کا ادا

کرے اور ہر ایک کے لیے اس کے گوشت کا حصہ ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اور ہم نے حدیث سنی ہے کہ قربانی میں شرکت نہیں اور یہ کہ یہ ایک ہی گھر والوں کی طرف سے ہونا چاہیے۔

وضاحت: ایک بکری پورے کنبہ کی طرف سے ہے چاہے اس میں دس آدمی ہوں۔ میرا ہمیشہ سے قربانی کا طریقہ یوں ہے کہ ایک جانور ذبح کیا اور دعا کی کہ **اللھم تقبل منی و من اھلی** ''اھلی'' سے مطلب سب گھر والے ہیں۔ یہاں اب ان لوگوں نے الگ انتظام کیا تو میں نے کہا میں مباہات میں نہیں پڑنا چاہتا اور میرا مذہب یہ کہ ایک بکری ایک کنبہ کی طرف سے ہے اور شوافع کی روایت پر بھی مبنی ہے۔

امام مالک کے نزدیک بہترین بات جو انہوں نے اونٹ' گائے اور بکری کے بارے میں سنی ہے یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنی اور اپنے اہل بیت کی طرف سے ذبح کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کا مالک ہے اور ان سب کو شریک کرتا ہے۔ البتہ چند آدمی مل کر ایک اونٹ یا گائے یا بکری خریدیں اور وہ قربانی میں شریک ہوں اس طرح کہ قیمت میں بھی ہر ایک کا حصہ اور گوشت میں بھی حصہ ہو تو یہ ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ یہ شکل ان کے نزدیک جائز نہیں ہے کہ ہم دو چار آدمی مل کر قربانی کریں۔ اس میں بکری کے متعلق تو بات ٹھیک ہے' بکری میں یہ بات سنی ہے لیکن اونٹ اور گائے کے بارے میں جو اوپر والی روایت ہے وہ اس کے حق میں ہے کہ سات آدمی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں۔ گائے اور اونٹ کی حیثیت' قیمت کے لحاظ سے بھی اور گوشت کے لحاظ سے بھی ایسی ہے کہ اس میں ایک سے زیادہ شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک سے زیادہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ سارا گاؤں شریک ہو سکتا ہے؟ روایت سے تعداد معلوم ہوتی ہے کہ سات ہے اور روایت واضح ہے ٹھیک ہے۔ میرے نزدیک مالکیہ کی یہ بات کمزور ہے۔ خیریت ہے کہ وہ مکروہ کہتے ہیں حرام نہیں کہا ہے۔

۱۰۔ وَحدثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ: مَا نَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْهُ وَ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا بَدَنَةً وَاحِدَةً أَوْ بَقَرَةً وَاحِدَةً. قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدْرِي أَيَّتُهُمَا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ.

ترجمہ: امام مالک ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف

سے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے صرف ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کی ہے۔ مالک کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ ان دونوں میں سے ابن شہاب نے کس کا ذکر کیا تھا۔

وضاحت: امام مالک یہ کہتے ہیں کہ ابن شہاب نے ان دو میں سے یعنی گائے اور اونٹ میں سے کس کا ذکر کیا تھا یہ انہیں یاد نہیں رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک الفاظ کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ راوی نے کیا کہا تھا اور یہ بات ٹھیک ہے۔

روایت واضح ہے کہ پورے کنبہ کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے۔

باب: الضَّحِيَّةُ عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ وَ ذِكْرِ أَيَّامِ الْأَضْحٰى

پیٹ کے بچہ کی طرف سے قربانی اور قربانی کے ایام کا بیان

۱۱۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: الْأَضْحٰى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحٰى.

ترجمہ: نافع روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ قربانی دو دن ہے قربانی کے دن کے بعد۔

وضاحت: قربانی دو دن ہے، قربانی کے دن کے بعد یعنی تین دن قربانی کی جا سکتی ہے۔ قربانی کا پہلا دن اور اس کے بعد دو دن اور قربانی ہو سکتی ہے۔

شوافع چار دن قربانی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں پورے ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ چوتھے دن کو بھی، مغرب تک، وہ شامل کر لیتے ہیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن معروف مذہب یہی ہے کہ تین دن قربانی کی جا سکتی ہے۔

۱۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مِثْلُ ذٰلِكَ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ. قَالَ مَالِكٌ الضَّحِيَّةُ سُنَّةٌ وَلَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَلَا أُحِبُّ لِأَحَدٍ مِمَّنْ قَوِيَ عَلٰى ثَمَنِهَا أَنْ يَتْرُكَهَا.

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ علی بن ابی طالب بھی یہی بات کہتے تھے۔ (یعنی قربانی تین دن ہے)۔ امام مالک، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر پیٹ کے بچہ کی طرف سے قربانی نہیں کرتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ قربانی سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو قربانی کی قیمت ادا کر سکتا ہے اس کے لیے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ قربانی نہ کرے۔

وضاحت: حضرت علیؓ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ قربانی تین دن کی جا سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیٹ کے بچہ کی طرف سے قربانی نہیں کرتے تھے تو یہ بالکل معقول بات ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ قربانی سنت ہے واجب نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک واجب ہے۔ میرے نزدیک حج پر جو قربانی ہے وہ حاجی کے لیے واجب ہے، وہ منیٰ میں قربانی کرے۔ باقی جو ہم تا قربانی یہاں کرتے ہیں یہ سنت ہے، نفل ہے، جو چاہے کیجیے۔ بہر حال یہ واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ امام صاحب کی یہ بات بہت معقول ہے کہ جو شخص قربانی کی قیمت ادا کر سکتا ہے اس کو چاہیے کہ قربانی کرے۔

❀❀❀❀

صحیح علم کا منبع

صحیح علم کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جس کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوئی وہ علم سے بالکل محروم ہے اگرچہ وہ دنیا جہاں کی کتابیں حفظ کر ڈالے۔ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہے اس کے اندر لازماً خشیت بھی ہوگی۔ اگر کوئی شخص خدا کی خشیت سے محروم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی معرفت سے بھی محروم ہے یہی معرفت اور خشیت انسان کے تمام علوم و افکار میں حقیقی زندگی پیدا کرتی ہے جس سے علوم و فنون دنیا کے لیے موجب خیر و برکت بنتے ہیں۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو انسان کی ساری ذہانت شیطان کی مقصد براری میں صرف ہوتی ہے اور وہ بالآخر تباہی کا موجب بنتی ہے۔

پروفیسر عبدالخالق فاروقی

آزمائش و ابتلا کی حکمت

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ ہر صورت حال اس کے لئے اپنے دامن میں بھلائی رکھتی ہے اور یہ صرف مومن ہی کا خاصہ ہے۔ اگر وہ خوشحال ہوتا ہے تو شکر کرتا ہے جو اس کے لئے سراپا خیر ہے اور اگر بدحالی و مصیبت سے دوچار ہو تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے بہتر ہے۔

(فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

انسان کی زندگی مصائب و آلام اور حادثات سے بھری پڑی ہے۔ وہ دنیا میں شدائد و مشکلات اور صبر آزما لمحات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو نامساعد حالات کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں اور طویل جدوجہد بھی کسی طرح مثمر نہیں ہوتی۔ بعض کے عزیز انتقال کر جاتے ہیں۔ بعض کو کوئی خطرناک بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور کچھ بدنصیب ایسے ہیں جن کی عمر بھر کی پونجی لٹ جاتی ہے۔ الغرض اس دنیا میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے جو انسان کی طبع پر گراں گزرتا ہے اور اس کی امنگوں اور آرزوؤں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

جُعِلت علی کدرو انت تریدھا   صفواً من الآلام والاکدار
ومکلفُ الایام ضد طباعها   متطلب فی الماء جذوة نار

دنیا ایک مقام تکدر ہے لیکن اے انسان! تو اسے غموں اور کدورتوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس کے مزاج کے برعکس ہے اور انسان یہ خواہش کر کے گویا پانی کے ذخیرے سے آگ کا انگارہ طلب کرتا ہے۔

حیات دنیا میں تکالیف و مصائب کا وجود اللہ کی سنت کے عین مطابق ہے اور یہ سب انسانوں سے متعلق ہے لیکن اللہ کے پیغمبر ابتلاء کا خاص طور پر شکار ہوئے ہیں۔ جب وہ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے ہیں اور انہیں خواہش نفس کی پیروی سے روکتے ہیں تو کفر کے علمبردار اور نفس کے بندے ان کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ پھر جب یہ صاحبان رشد و ہدایت معروف کا حکم

دیتے اور منکرات کا استیصال کرنے کے لئے جدوجہد کرتے تو آہستہ آہستہ تمام طاغوتی طاقتیں ان کے خون کی پیاسی بن جاتیں اور اس طرح جاں گسل آزمائشوں کا ایک دور شروع ہو جاتا جس سے اہل حق کو گزرنا پڑتا۔ قصہ آدم و ابلیس، کشمکش ابراہیم و نمرود، معرکہ کلیم و فرعون اور محاربہ محمدؐ و ابوجہل معرکہ حق و باطل کے مختلف مظاہر ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام: ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کے اشرار کو ہر نبی کا دشمن بنایا۔ وہ ایک دوسرے کو پر فریب باتیں القا کرتے ہیں دھوکا دینے کے لئے۔

اس آیت میں اللہ کی سنت ابتلا بیان ہوئی ہے جس سے اس کے تمام نبیوں اور رسولوں کو گزرنا پڑا ہے۔ انبیاء آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالے گئے اور ان کے جانشینوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا اور ہر وہ شخص جو ان کی بتائی ہوئی راہ حق پر گامزن ہوا دین حق کے باغیوں نے انہیں تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مصیبتوں کے پہاڑ کن انسانوں پر ٹوٹتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انبیاء و رسل پر پھر وہ جو پیروی حق و صداقت میں ان سے زیادہ قریب ہوں پھر وہ جو ان کے مشابہ ہوں۔ یاد رکھو آدمی پر یہ ابتلا اس کے دین کے مطابق آتے ہیں اگر وہ پیروی دین میں زیادہ سخت ہو تو اس کی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں اور اگر اس کا دین کمزور ہو تو اس پر نازل ہونے والی مصیبتیں بھی معمولی ہونگی۔"

چنانچہ اہل ایمان کو راہ حق میں آزمائشیں لازماً پیش آتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ o وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ o (العنکبوت ۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ محض یہ کہہ دینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ اور ہم نے تو ان لوگوں کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ سو اللہ ان لوگوں کو ممیز کرے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ممیز کر کے رہے گا۔

یعنی لوگوں نے اگر یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کریں گے اور مجرد ان کے اس دعوے کی بنا پر ان کا نام مومنین صادقین کے رجسٹر میں درج ہو جائے گا، ان کے کھرے کھوٹے ہونے کی کوئی جانچ نہیں ہوگی تو یہ انہوں نے نہایت غلط سمجھا ہے کیونکہ یہ لوگ راہ حق اور اس کے تقاضوں سے اچھی طرح آشنا نہیں ان لوگوں سے پہلے جو لوگ ایمان و اسلام کا دعویٰ لے کر اٹھے ہم نے ان کو بھی آزمائشوں میں ڈال کر ان کا امتحان کیا، اسی طرح ان کا بھی امتحان کریں گے۔ اگر امتحان نہ ہو تو یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ کون اپنے دعوے میں سچا ہے، کون جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ لازماً راست بازوں اور جھوٹے مدعیوں میں امتیاز کرے گا اور اسی بنیاد پر ان کے مدارج معین ہوں گے اور جزا سزا مرتب ہو گی۔

اسی حقیقت کو ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ. (محمد ۳۱)

اور ہم لازماً تمہیں آزمائیں گے تاکہ تم میں سے جو مجاہد اور ثابت قدم ہیں ان کو ممیز کر دیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔

یعنی مختلف قسم کے نرم و گرم حالات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ لازماً تمہارا امتحان کرے یہاں تک کہ وہ اچھی طرح پرکھ لے گا کہ تمہارے اندر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے کون ہیں اور محض زبان کے غازی کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت لازمی اور قطعی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (آل عمران:۱۴۲)

کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ممیز نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا اور تاکہ ممیز کرے ثابت قدم رہنے والوں کو۔

جنگ احد میں شکست سے جو لوگ بد دل ہوئے تھے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ گمان تھا کہ حق کی راہ خطرات اور آزمائشوں سے خالی ہے اور تم اسلام کا دعویٰ کر کے ایک ٹھنڈی سڑک سے سیدھے سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے تو تمہارا یہ خیال خام ہے۔ جنت میں کوئی شخص اس وقت

تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک امتحان سے یہ متعین نہ ہو جائے کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کا ولولہ رکھتا ہے یا نہیں اور حق کے لئے آزمائشوں کی تاب لا سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اسی چیز کی جانچ کے لئے تمہیں یہ احد کی آزمائش پیش آئی۔ اب تک تمہاری طرف سے جہاد کے لئے بڑے بڑے جوش و خروش کا اظہار ہوتا رہا ہے لیکن اس کی نوعیت صرف زبانی جمع خرچ کی تھی۔ ضرورت تھی کہ سچے اور جھوٹے، مومن صادق اور بوالہوس کے درمیان امتیاز کے لئے کوئی ایسا موقع پیش آئے جب موت سے دوبدو ہو کر تمہیں لڑنا پڑے چنانچہ یہ موقع اللہ نے تمہیں دکھا دیا اور تمہارے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کے لئے ایک کسوٹی سامنے آگئی۔ راہ حق میں آزمائشوں کی حکمت یہی ہے۔ اس سے مقصود جماعتی تطہیر اور مفسد عناصر کا چھانٹنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ○ (آل عمران: ۱۶۶-۱۶۷)

اور دونوں جماعتوں کے مڈبھیڑ کے دن تمہیں جو مصیبت پہنچی یہ اللہ کے حکم سے پہنچی اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو ممیز کر دے اور منافقین کو بھی ممیز کر دے۔

یعنی جنگ میں جو کچھ تمہیں پیش آیا ہے خدا کے حکم سے پیش آیا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ سچے مسلمانوں اور منافقوں کو اچھی طرح واضح کر دے تاکہ ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کون لوگ جماعت کے اندر قابل اعتماد ہیں، کون لوگ نہیں۔ یہ آزمائش جماعتی تطہیر کے لئے ضروری تھی۔ اگر مخلصین اور منافقین اسی طرح رلے ملے رہتے تو معلوم نہیں مفسد عناصر کس وقت پوری جماعت کا بیڑا غرق کر دیتے۔

اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ابتلا اور عذاب میں فرق ہوتا ہے ایک تو یہ شکل ہوتی ہے کہ کسی قوم پر کوئی مصیبت، قحط، وبا، زلزلہ، طوفان وغیرہ کے قسم کی ابتلا اللہ تعالیٰ اس لیے بھیجتا ہے کہ اہل غفلت اپنی غفلت کی نیند سے بیدار ہوں۔ اس قسم کے ابتلائی مصائب جب نازل ہوتے ہیں تو ان میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان کی آفت صرف مجرموں ہی تک محدود رہے بلکہ اچھے برے سب ان کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اس کے اعمال کی پاداش میں اتمام حجت کے بعد کوئی فیصلہ کن عذاب بھیجتا ہے۔ اس صورت میں عذاب کی زد سے وہ

لوگ بچالئے جاتے ہیں جو اصلاح کرنے والے یا اصلاح کرنے والوں کے پیرو ہوتے ہیں۔

انسان کی ساری زندگی ایک امتحان اور آزمائش ہے۔ بیوی بچے، مال و دولت، علم و ہنر، صلاحیتیں، توانائیاں اور عمر عزیز غرض وہ سب کچھ جو انسان کے پاس ہے اللہ کی طرف سے ایک امانت ہے اور اس میں اس کا امتحان مقصود ہے کہ وہ اس امانت کو اس کے عطا کرنے والے کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے یا اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ (الملک:۲)

جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل والا بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں جس کو زندگی بخشتا ہے اس امتحان کے لئے بخشتا ہے کہ دیکھے کون اس کی پسند کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور کون اپنی من مانی کرتا ہے۔ اس امتحان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں لوگوں کو از سر نو زندہ کرے، ہر شخص کی نیکی اور بدی کا حساب ہو اور اسے اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے۔

انسان آزمائش اور امتحان کے کس نازک مقام پر کھڑا ہے اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ حقیقت مستحضر ذہنی چاہیے کہ شیطان آدم اور ان کی ذریت کا دائمی اور کھلا دشمن ہے۔ اس کی یہ دشمنی اس حسد کی بنا پر ہے جو آدم کی تکریم کے حکم سے اس کو لاحق ہوا۔ اس حکم کی تعمیل سے اس نے نہایت تکبر کے ساتھ انکار کیا جس کے نتیجہ میں وہ نہایت ذلت کے ساتھ جنت سے نکالا گیا۔ اس صورت حال سے اس کو گمان ہوا کہ اب اس کے لئے سعی و عمل کی کوئی مہلت باقی نہیں رہی ہے۔ اس پر اس نے خدا سے درخواست کی کہ اسے مہلت عطا کی جائے تاکہ وہ ثابت کر سکے کہ انسان فی الواقع اس شرف کا سزاوار نہیں ہے جو اسے بخشا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مہلت دے دی۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں سے انسان کی زندگی کارزار امتحان میں داخل ہوئی۔ شیطان نے اپنا پورا زور اس بات کے لئے لگانے کا منصوبہ بنایا کہ وہ انسان کو نااہل و نالائق ثابت کر دے اور انسان کی سعادت و کامرانی اس بات میں ٹھہری کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ فی الواقع اس شرف کا اہل ہے۔ شیطان نے اپنے عزم کا

اظہار بدیں الفاظ کیا:

فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (الاعراف:۱۶-۱۷)

چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا ہے اس وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے لئے گھات میں بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے دہنے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔

یہ بیان ہے شیطان کے حملہ کی قوت، وسعت اور ہمہ گیری کا خود اس کی زبان سے۔ چنانچہ اس نے اپنے چیلنج میں آشکارا الفاظ میں بتا دیا کہ وہ انسان کی گھات میں صراط مستقیم یعنی توحید کی راہ پر بیٹھے گا اور اس راہ سے اس کو بے راہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ پھر وہ ہر جہت، ہر سمت، ہر پہلو سے انسان پر حملہ کرے گا۔ وہ اس کے مشاہدات، احساسات، جذبات، خواہشات ہر منفذ سے اس کے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا۔ وہ اس کے فکر، فلسفہ، علم، ادراک ہر چیز کو مسموم کرے گا۔ وہ اس کی تحقیق، تنقید، تصنیف، تالیف، ادب، آرٹ، لٹریچر ہر چیز میں اپنا زہر گھولے گا، وہ اس کے تہذیب، تمدن، معیشت، معاشرت، فیشن، کلچر، سیاست اور مذہب ہر چیز کے اندر فساد برپا کرے گا اور اس طرح انسانوں کی اکثریت کو ضلالت و گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکا دے گا۔

جس طنطنہ اور زور کے ساتھ شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی پوری شان بے نیازی کے ساتھ یوں دیا:

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الاعراف:۱۸)

ترجمہ: ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

گویا اللہ تعالیٰ نے شیطان اور انسان کو دنیا میں دو محارب فریقوں کی حیثیت سے اتارا۔ شیطان کو یہ مہلت دی گئی ہے کہ وہ اولاد آدم میں سے جن کو جیت سکتا ہے جیت لے اور اولاد آدم کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ جو جنت کی میراث حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ شیطان کو پچھاڑیں اور جنت جیت لیں۔ انسان کے لئے اصل معرکہ امتحان یہی ہے۔

محبوب کاشانی

آخرت میں احتساب کی نوعیت

قیامت کے دن صرف ظاہری اقوال و اعمال ہی زیر بحث نہیں آئیں گے بلکہ مخفی سے مخفی باتیں بھی جانچی اور پرکھی جائیں گی، دلوں کے کھوٹ اور نیتوں کے فساد منکشف ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے آلات موجود ہیں جو مخفی سے مخفی گوشوں میں کئے ہوئے اعمال و اقوال کا بھی کھوج لگالیں گے اور ہر عمل کو پرکھ کر بتادیں گے کہ کس کے اندر کتنا کھوٹ ہے اور کتنا اخلاص ہے۔ فرمایا:

''اس دن ساری چھپی باتیں پرکھی جائیں گی''۔ (الطارق۔ ۹)

بخیلوں کا انجام

دنیا میں جن لوگوں نے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے سینت سینت کر رکھا اور گن گن کر بینکوں میں جمع کرایا، سونے چاندی کی اینٹوں، زیورات، ظروف اور جواہرات کی شکل میں محفوظ رکھا قیامت کے دن ان کی یہ ساری دولت جلا کر چور چور کر کے پراگندہ کر دی جائے گی تاکہ وہ لوگ اس کو حیات جاوداں کی ضامن سمجھے تھے وہ اس کا حشر دیکھیں۔ ان کو حطمہ میں جھونکا جائے گا جو ایسی آگ ہوگی جو مار تنج لوگوں کے سینوں پر جا چڑھے گی۔ اس کا خاص مزاج یہ ہوگا کہ وہ سب سے پہلے ان کے دلوں کو پکڑے گی جن میں مال کی محبت اس طرح رچی بسی رہی ہے کہ خدا اور آخرت کی یاد کے لئے کوئی جگہ بھی ان کے اندر باقی نہیں چھوڑی۔ اس آگ کی مطلوب غذا چونکہ ان ہی کے دلوں میں ہوگی اس وجہ سے اس کا سب سے پہلا حملہ ان ہی پر ہوگا۔ یہ آگ ان پر اس طرح بھڑکے گی اور اوپر سے ڈھانک بھی دی جائے گی کہ اس کی تپش کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو بلکہ سب کا سب ان کے جلانے میں مصروف ہو۔ اس آگ کے اندر وہ لمبے لمبے ستونوں کے ساتھ بھاری بھاری زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے اور اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکیں گے۔ اس زنجیر کا طول ستر گز ہوگا۔ سورہ حمزہ میں فرمایا۔

''بلا کی ہو ہر اشارہ باز، عیب جو کے لیے! جس نے مال سمیٹا اور اس کو گنتا رہا گویا اس کے مال نے اس کو زندہ جاوید کر دیا۔ ہرگز نہیں! وہ چور چور کر دینے والی میں ضرور پھینکا جائے گا اور تم کیا سمجھے کہ چور چور کرنے والی کیا ہے؟ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ! جو دلوں پر جا چڑھے گی۔ اس میں وہ موندے ہوئے ہوں گے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے''۔ (الہمزہ)

ابولہب کی بیوی کی حالت

قرآن مجید میں ابولہب کی بیوی کی حالت کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے یہ عورت دنیوی اعتبار سے چونکہ اونچے طبقہ سے تعلق رکھنے والی تھی اس وجہ سے اس کے انجام سے لونڈیاں اور بیگمات دونوں عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔ ابولہب کی بیوی جب قیامت کے دن اٹھے گی تو اس کی گردن میں ایک مضبوط رسی پڑی ہوگی جو ایندھن ڈھونے والی لونڈیوں کی گردن میں پڑی ہوئی رسی کی طرح موٹی ہوگی۔ اس طرح اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس ہار کو وہ پہن کر دنیا میں اتراتی تھی قیامت کے دن وہ موٹی رسی کی شکل میں بدل جائے گا اس طرح عمل اور نتیجہ میں موافقت ہوگی۔ مغرور عورتیں آرائش کے ساتھ نمائش کی بھی دلدادہ ہوتی ہیں اس وجہ سے سامان آرائش کے حجم اور وزن کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ چنانچہ رسی بھی موٹی ہوگی۔ سورہ لہب میں فرمایا:

''اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہوگی''۔ (لہب۔ ۵)

قیامت کو جھٹلانے والوں کا انجام

مکذبین قیامت اس دنیا کی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے یا تو قائل ہی نہ تھے یا اس کو نہایت ہی بعید از قیاس و امکان سمجھتے تھے۔ قیامت کے دن یہ سب اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اور ان سے سوال ہوگا کہ دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا اور قیامت کا آنا امر واقعہ ثابت ہوا یا نہیں؟ یہ لوگ کہیں گے کہ ہاں ہمارے رب کی قسم! یہ تو ایک امر واقعہ ہے۔ حکم ہوگا کہ اس دن کے انکار کی پاداش میں چکھو مزا عذاب کا۔ یہ مکذبین کہیں گے کہ ہم نے دنیا کی زندگی

پر رنجیدہ کر اس دن کی تیاریوں میں جو کوتاہی کی اس پر افسوس ہے۔ اس دن ان کی تصویر یہ ہوگی کہ سب اپنے اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے۔ ان کے ساتھ ان کے اعوان و انصار ہوں گے نہ شرکاء و شفعاء۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ یہ بوجھ ان کے سروں سے کبھی اترنے والا نہیں ہوگا۔ اس کیفیت کی طرف اشارہ کیا:

"کہتے ہیں کہ زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد ہم اٹھائے نہیں جانے کے اور اگر تم دیکھ پاتے (اس وقت کو) جب یہ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے، وہ ان سے پوچھے گا' یہ کیا امر واقعہ نہیں ہے؟ وہ جواب دیں گے' ہاں' ہمارے رب کی قسم! یہ امر واقعہ ہے! فرمائے گا پس چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں۔ گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب وہ گھڑی اچانک آپہنچے گی، وہ کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس باب میں ہم سے ہوئی! اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ آگاہ! کیا ہی برا ہوگا وہ بوجھ جو یہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔" (الانعام: ۲۹-۳۱)

جزا و سزا کے فیصلہ کے بعد مجرموں کو پہلے اس آگ بھری خندق کے کنارے پر بٹھایا جائے گا تا کہ وہ اپنا ٹھکانہ اچھی طرح سے دیکھ لیں پھر وہ اپنی ایک ایک ظالمانہ حرکت کا مزا چکھیں گے۔ مجرم کو پہلے اس کا اصل ٹھکانہ دکھا دیا جائے پھر اس کو اس کا مزہ چکھایا جائے تو عذاب دو چند ہو جاتا ہے۔ جب اپنا اصل ٹھکانہ دیکھ لیں گے تو حکم ہوگا کہ ان کو اس میں پھینک دیا جائے۔

سورہ بروج میں فرمایا:

"ہلاک ہوئے ایندھن بھری آگ کی گھاٹی والے! جبکہ وہ اس پر بیٹھے ہوں گے اور جو کچھ وہ اہل ایمان سے کرتے رہے اس کو دیکھیں گے"۔ (البروج: ۵-۷)

فرعون اور آل فرعون کے متعلق بھی قرآن میں یہ ذکر ہے کہ عالم برزخ سے ان کو صبح و شام دوزخ کی سیر کرائی جاتی ہے۔

جہنم کا جوش غضب

قیامت کے دن جہنم جوش غضب سے پھٹی پڑ رہی ہوگی۔ جب جب منکرین کی ٹولیاں اس میں جھونکی جائیں گی تو وہ ھل من مزید کا نعرہ بلند کرے گی۔ جہنم کے اس غیظ و غضب کی وجہ ظاہر ہے یہی ہوگی کہ اس کے نزدیک اس ہولناک دن سے بے پروا ہو کر جن لوگوں نے زندگی گزاری انہوں نے آنکھیں اور کان بالکل بند کر کے زندگی گزاری حالانکہ اس دنیا میں نہ قیامت اور جزا و سزا کی نشانیوں کی کمی تھی اور نہ یہ کبھی نذیروں سے خالی رہی۔ جن لوگوں نے آنکھ اور کان رکھتے ہوئے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا وہ ہرگز ہمدردی کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ جہنم کے داروغے ان کو ملامت کریں گے کہ بدبختو! کیا تمہارے پاس اس دن سے آگاہ کرنے والا کوئی نہیں آیا تھا کہ تم نے اپنی یہ شامت بلائی! اس وقت یہ لوگ اعتراف کریں گے کہ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے پاس نذیر آئے لیکن ہم نے ان کو جھٹلا دیا اور یہ کہہ دیا کہ خدا نے کوئی چیز نہیں اتاری تم محض ہم پر دھونس جمانے کے لیے یہ دعوے کر رہے ہو کہ تم کو خدا نے بھیجا ہے بلکہ ہم نے الٹے ان کو گمراہ ٹھہرا دیا کہ ہم نہیں بلکہ تم ایک بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ اعتراف کریں گے کہ اگر وہ بات کے سننے والے اور اپنی عقل سے کام لینے والے ہوتے تو حقیقت اتنی واضح تھی کہ وہ ہدایت پر ہوتے اور جنت کے حقدار بنتے اور جہنم والوں کے ساتھی نہ بنتے۔ فرمایا:

"جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی۔ معلوم ہوگا کہ غصہ سے پھٹی پڑ رہی ہے۔ جب جب ان کی کوئی بھیڑ اس میں جھونکی جائے گی اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے۔ کیا تمہارے پاس (اس دن سے) کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ایک خبردار کرنے والا آیا تو سہی لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ تو بس ایک بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو! اور وہ کہیں گے کہ ہم سننے اور سمجھنے والے ہوتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ بنتے تو وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے۔ پس لعنت ہو دوزخ والوں پر!!"

(الملک: ۷-۱۱)

اہل دوزخ کی اولین ضیافت

قیامت کو جھٹلانے والوں کو جب دوزخ میں جھونکنے کا حکم ہوگا تو دوزخ میں ان کی اولین ضیافت زقوم اور کھولتے پانی سے ہوگی پھر ان کا مستقل ٹھکانہ جہنم بنے گی۔ اہل دوزخ زقوم کھانے پر مجبور ہوں گے۔ اسی سے اپنے پیٹ بھرنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا پھر اس کو حلق سے اتارنے کے لئے کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔ دوزخ کے زقوم کے پتوں اور کانٹوں کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی گئی ہے گویا بہت سے شیاطین ننگے سر کھڑے ہوں۔ زقوم کا درخت دنیا میں ان ظالموں کے لئے فتنہ بن گیا تھا جس کی آڑ لے کر انہوں نے دوزخ کا خوب خوب مذاق اڑایا کیونکہ انہیں جب بتایا گیا کہ دوزخ میں انہیں کھانے کو زقوم ملے گا تو انہوں نے اس سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اس پر فقرے چست کیے کہ خوب ہے یہ دوزخ کہ اس میں آگ بھی ہوگی، درخت بھی ہوں گے اور پانی بھی۔ سورہ صافات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

''ضیافت کے لئے یہ بہتر ہے یا درخت زقوم؟ ہم نے اس کو ظالموں کے لئے ایک فتنہ بنایا ہے۔ وہ ایسا درخت ہے جو قعر دوزخ میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برگ و بار گویا شیاطین کے سر ہوں۔ وہ لوگ اسی کو کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر ان کے لئے اس کے اوپر گرم پانی کی ملونی ہوگی''۔ (الصافات: ۶۲۔۶۷)

اہل ایمان کفار کے حال پر ہنسیں گے

کفار کے اس انجام پر اہل ایمان ہنسیں گے۔ دنیا میں تو کفار مسلمانوں کے حال پر ہنستے رہے اور ان کا مذاق اڑاتے رہے لیکن قیامت کے دن معاملہ الٹا ہوگا۔ اہل ایمان کفار کے حال پر ہنسیں گے۔ ان کا یہ ہنسنا جائز ہوگا۔ جب انہوں نے کفار پر حجت تمام کر دی اور انہوں نے اصلاح قبول کرنے کے بجائے الٹے ان ہی کو مجرم ٹھہرایا تو وہ اس کے سزاوار ہوں گے کہ ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور وفا شعار بندے جنت میں اپنے تختوں پر بیٹھے ہی بیٹھے جب چاہیں گے جھانک کے دوزخ میں کفار کا حال بھی دیکھ لیں گے اور ان سے سوال و جواب بھی کر لیں

گے۔ فرمایا:

''پس آج ایمان والے کفار کے حال پر ہنسیں گے تختوں پر بیٹھے سیر دیکھتے''۔ (المطففین: ۳۴۔۳۵)

جہنم میں جانے کے اسباب

جہنم میں جانے کے اسباب تو بہت سے ہیں جن پر مختلف اسالیب میں مختلف مواقع پر گفتگو ہو چکی ہے یہاں چند انتہائی اہم اسباب کو مختصر طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔

عقل و فطرت کی شہادت سے کان بند رکھنا

انسان کی فطرت کے اندر جزا و سزا کی شہادت موجود ہے۔ ایسے دن کے ظہور کا اندیشہ ہر اس شخص کے دل میں موجود ہوتا ہے جس کی فطرت سلیم ہوتی ہے اس لئے اگر کسی کا دل اس اندیشہ سے خالی ہے تو وہ خود اپنی فطرت کی آواز سے کان بند کئے ہوئے ہے حالانکہ وہ کوئی معمولی دن نہیں بلکہ ایک عظیم دن ہوگا۔ اس دن لوگ اس لئے اٹھیں گے کہ خداوند کائنات کے سامنے پیش ہو کر بتائیں کہ انہوں نے کیا بنایا کیا بگاڑا پھر اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائیں۔

یہ صرف فطرت ہی کی شہادت نہیں ہے بلکہ عقل کی شہادت بھی یہی ہے کیونکہ دنیا میں ہمارے نزدیک اچھے اور برے انسان برابر نہیں ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نزدیک یہ کیسے برابر ہو جائیں گے۔ دنیا میں تو کتنے ہی برے لوگ پھلتے پھولتے ہیں اور نیک لوگ مشکلات اور مصائب میں مبتلا نظر آتے ہیں تو کیا عقل یہ مطالبہ نہیں کرتی کہ ایک ایسا دن آئے جس دن بروں کو ان کی برائی کی سزا ملے اور نیکوں کو ان کی نیکی کی جزا ملے۔ فرمایا:

''تو کیا وہ جو مومن ہے اس شخص کی مانند ہو جائے گا جو نافرمان ہے؟ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے''۔ (السجدہ: ۱۸)

استکبار

استکبار سے مراد یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔ بعض لوگ اپنے

آپ کو اتنی بڑی چیز سمجھتے ہیں کہ ان کے لئے یہ باور کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ جس بات کو وہ جانتے اور مانتے ہیں حق اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ ان کو جو عزت و نعمت حاصل ہوتی ہے اس کو وہ اللہ کا فضل سمجھنے اور اس کا شکر گزار ہونے کے بجائے اس کو یا تو اپنا پیدائشی اور خاندانی حق سمجھ بیٹھتے ہیں یا اس کو اپنی کوشش اور قابلیت کا ثمرہ خیال کرتے ہیں اور پھر اس پر اتراتے اور فخر کرتے ہیں۔ اسی چیز کو احادیث میں آدمی کی خود فریبی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ اس نشہ میں بدمست ہو کر ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ انہیں سورج کی طرح روشن حق بھی نظر نہیں آتا اور قیامت کی خبر دینے والوں کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہ لوگ ہم سے یا ہمارے باپ دادا سے زیادہ جانتے ہیں؟ واضح رہے کہ ابلیس کے جنت سے نکالے جانے کا اصل سبب استکبار ہی ہے۔ اس لئے جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا محال ہے اس طرح متکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے لہٰذا جن کے اندر استکبار کا کوئی شائبہ بھی ہوگا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ فرمایا:

"بے شک جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان سے منہ موڑا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں نہیں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ سما جائے"۔ (الاعراف۔۴۰)

خواہشات نفس کی پیروی

خواہشات نفس کی پیروی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت کے اندر جو دلائل ودیعت فرمائے ہیں اور عقل و دل کے اندر سوچنے سمجھنے کی جو صلاحیت بخشی ہے اس کی قدر کرنے کی بجائے اپنے نفس کی خواہشوں کی اپنا رہنما بنا لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اعلیٰ صلاحیتوں کو ٹھکرا دیا جائے۔ جو لوگ اس طرز عمل کو اختیار کر لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ان پر ان کی بداعمالیوں کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور وہ ان کا اس طرح احاطہ کر لیتی ہیں کہ ان کے دلوں کے اندر کسی چیز کے داخل ہونے کی کوئی گنجائش سرے سے باقی ہی نہیں رہتی۔ ان لوگوں کو اپنی عقل و دل کے دیدے پھوڑنے کی سزا یہ ہوگی کہ وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور وہ اپنے رب کی نظر عنایت' اس کے افضال وعنایات اور اس کے انوار و تجلیات کے مشاہدے سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ ان کو اتنا

موقع بھی نہیں ملے گا کہ اپنے رب سے کچھ عرض و معروض ہی کر لیں۔ فرمایا:

"اور ان پر ان کے کاموں کی برائیاں واضح ہو جائیں گی جو وہ کرتے رہے اور وہ چیز ان کو گھیرے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تم کو نظر انداز کریں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں بننے والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ پس آج نہ تو وہ اس سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا"۔

(الجاثیہ: ۳۳۔۳۵)

تعدی وحق تلفی

جن لوگوں کے دلوں پر تعدی اور حق تلفی کا رنگ چڑھ جائے انہیں فطرت کی شہادت دکھائی نہیں دیتی۔ یہی لوگ جزا و سزا کے دن کو جھٹلانے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو دوسروں کے حقوق غصب کرنے یا مارنے کی چاٹ لگ جاتی ہے وہ جزا و سزا سے فرار کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکالنے کی ضرور کوشش کرتے ہیں تا کہ ان کا ضمیر ان کی تعدی اور حق تلفیوں پر کوئی خلش محسوس نہ کرے۔ کیونکہ انسان کسی حقیقت سے فرار اس وجہ سے اختیار نہیں کرتا کہ اس کے حق میں اس کو کوئی دلیل نہیں ملی بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کو تسلیم کرنے سے اس کی خواہشوں اور عادتوں پر زد پڑتی ہے۔ جب ایک بات وہ ماننا ہی نہیں چاہتا تو اپنے لئے عذرات تراشنے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ کتنے ہی لنگ کیوں نہ ہوں۔ فرمایا:

"اس دن تباہی ہے جھٹلانے والوں کی جو روز جزا کو جھٹلا رہے ہیں! اس کو تو وہی جھٹلاتے ہیں جو تعدی اور حق تلفی کرنے والے ہوتے ہیں"۔ (المطففین: ۱۰۔۱۲)

ہٹ دھرمی اور مکابرت

اس سے مراد اپنے ضمیر کے خلاف واضح حقیقت کی تکذیب کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس حق کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہوتی اس وجہ سے یہ لوگ دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے محض

اپنی ہٹ دھرمی اور مکابرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب قرآن کی آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ چلو ہم نے سن لیا اس میں کیا ہے یہ تو محض اگلوں کے افسانے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو لائق اعتناء ہو حالانکہ یہ ایسے حقائق ہیں جن کے حق میں آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے ناقابل انکار دلائل موجود ہیں لیکن ان کی بداعمالیوں کا زنگ اس طرح ان کے دلوں پر چڑھ گیا ہے کہ اب حق کی کوئی کرن ان کے اندر نفوذ نہیں کر سکتی۔ ان کی ہٹ دھرمی کی طرف اس ایت میں اشارہ کیا ہے:

"جب اس کو ہماری آئتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلوں کے فسانے ہیں"۔
(المطففین ۔۱۳)

تکاثر

اس سے مراد رات دن معیار زندگی بلند کرنے کی دھن میں لگے رہنا ہے۔ چونکہ اس کی کوئی حد معین نہیں ہے اس وجہ سے ان لوگوں کو اس میدان میں اپنا ہر قدم پہلا قدم نظر آتا ہے اور منزل نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور انہیں یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ وہ کہاں سے کب آئے گی اور کبھی آئے گی بھی یا نہیں۔ معیار زندگی کا سارا انحصار اگر مال پر ہے تو جب معیار کی کوئی حد معین نہیں ہے تو مال کی حد میں بھی کمی کا امکان نہیں۔ اس مال کے حصول کے لئے انہیں حلال وحرام کی بھی پروا نہیں ہوتی اور جس راستے سے بھی وہ آتا ہے اس کو شیر مادر سمجھ کر سمیٹ لیتے ہیں اور ساتھ ہی انہیں اس بات کی بھی فکر نہیں رہتی کہ مال کو اس کے اصل مالک کی مرضی اور منشاء کے مطابق صرف کیا جائے بلکہ یہ لوگ مال ہی کو معبود بنا لیتے ہیں اور اس کے حصول پر ساری زندگی کھپا دیتے ہیں۔ مال کی محبت اور معیار زندگی بلند کرنے کی دوڑ انہیں بالآخر جہنم میں لے جاتی ہے۔ فرمایا:

"تم کو طلب مال کی مسابقت نے غفلت میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے"۔ (التکاثر: ۱۔۲)

قیامت کا استہزاء

منکرین قیامت کو جب دوزخ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو اس کا مذاق اڑاتے۔ بعض یہ

کہتے کہ کہ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ جب لوگ مر کر گل سڑ جائیں گے تو وہ از سر نو زندہ کئے جائیں گے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ بھلا ہمارے اگلے بھی اٹھائے جائیں گے جو نہیں معلوم کب پیوند خاک ہوئے اور ان کی قبروں کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ یہ لوگ دوزخ اور اس کی آگ کا یوں مذاق اڑاتے کہ خوب ہی ہوگی وہ آگ جس میں پانی بھی ہوگا اور درخت بھی۔ جب قرآن نے انہیں آگاہ کیا کہ دوزخ پر انیس سرہنگ مامور ہوں گے تو اس کو انہوں نے اپنی طبع آزمائی کا موضوع بنا لیا۔ کوئی بولا اگر اتنے ہی ہوں گے تو ان سے میں تنہا نپٹ لینے کے لیے کافی ہوں۔ دوسرے نے ڈینگ ماری کہ پھر کوئی اندیشہ کی بات نہیں باقی سے نمٹنے کے لیے میں کمزور نہیں ہوں۔

"اس پر انیس (فرشتے) مقرر ہوں گے۔ اور ہم نے دوزخ پر نگراں تو فرشتوں ہی کو بنایا ہے اور ہم نے ان کی یہ تعداد نہیں بیان کی مگر اس لئے کہ یہ آزمائش بنے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے کفر کیا"۔ (المدثر: ۳۰۔۳۱)

رب کی کریمی کا مغالطہ

اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کی سرکشیوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا اور برابر ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتا ہے اس سے انسان اپنے رب کی کریمی سے سخت دھوکا کھا جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنی کریمی سے جہنم میں نہیں ڈالے گا حالانکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے لطف وکرم کی قدر کرے اور اس کا شکر گزار بندہ بنے اور اپنے آپ کو اس کی مزید عنایات کا حق دار بنائے لیکن وہ اس کے آگے بالکل ڈھیٹ بن جاتا ہے اور رسول کے انداز کا مذاق اڑاتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کو جو رفاہیت حاصل ہے یہ اس کا پیدائشی حق ہے اور رسول جس قیامت سے آگاہ کر رہا ہے یہ محض ایک ہوا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں لیکن قیامت کے دن وہ حقیقت اس کے سامنے آجائے گی پھر اس کو اپنے کئے کی سزا بھگتنا ہوگی۔ فرمایا:

"اے انسان تجھے تیرے رب کریم کے باب میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے"۔
(الانفطار۔۶)

❀❀❀❀

مولانا امین احسن اصلاحی

مراسلہ، مذاکرہ

سوال: قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول تھے۔ رسول اللہ تعالیٰ کی عدالت بن کر آتا ہے اگر قوم ہدایت قبول نہیں کرتی تو اس پر اللہ کا عذاب نازل کر دیا جاتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ ؑ کی قوم کے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوا؟

جواب: حضرت عیسیٰ ؑ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس سے زیادہ عبرت انگیز معاملہ اور کسی قوم کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے یہ کہا تھا کہ یہاں کوئی اینٹ دوسری اینٹ پر باقی نہیں رہے گی اور سخت سے سخت لعنت کے الفاظ انہوں نے کہے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے دو کام کئے۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر بشارت دی کہ وہ آنے والے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہود پر ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جو لعنت تھی وہ مسلط کر دی۔ لعنت تو سب سے بڑا عذاب ہے۔ یہ اسی لعنت کا نتیجہ ہے کہ جس کی سزا یہود ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا معتوب بنا لیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ذرا شہ دے رکھی ہے۔ ہمارے اعمال کی وجہ سے یہود کو بیت المقدس پر قابض ہونے کا موقع مل گیا اور ہمارے اوپر دندنانے لگے ہیں۔ لیکن یہ ان کی اپنی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ دوسروں سے ان کو سہارا مل گیا ہے۔ یہود کی حیثیت جو کچھ بھی ہے امریکہ اور یورپ کی بدولت ہے۔ یہ بھی ان کے لئے ایک ابتلاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام ایک دو دن میں تو نہیں ہوتے 'مدت لگتی ہے' انتظار کیجئے۔ ابھی تو یہ جمع بھی نہیں ہوئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہو کہ سب جمع ہو جائیں تو کچھ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ ہو گا۔

سوال: شریعت بل کے بارے میں دینی جماعتوں کے موقف اور حکومت کے موقف پر آپ کی

رائے کیا ہے؟

جواب: ان معاملات میں میں ایک خاص رائے رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک اسلامی معاشرتی ترتیب بہت ضروری ہے۔ ساری رکاوٹ اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ ہمارے معاشرے کی بنیاد اسلام پر نہیں ہے ہم ایک منتشری قوم ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا دین الگ، مسلک الگ اور رائے الگ ہے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ سب فقہیں ہماری ہیں، سب امام ہمارے ہیں۔ احناف، شوافع، اہل حدیث اور شیعہ ان تمام فقہوں کو اگر اپنی تسلیم کر لیں تو ان پر غور کر کے اپنے لئے یہ طے کر سکتے ہیں کہ کون سی بات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اوفق ہے اور اسے اختیار کر سکتے ہیں لیکن جب تک آپ الگ الگ فقہوں کے جھنڈے گاڑے رکھیں گے تب تک آپ کی راہ میں رکاوٹ رہے گی۔ بہرحال شریعت کے اندر ہی پناہ ہے اور اسی میں نجات کی راہ ہے۔ دینی جماعتوں کا موقف الگ الگ ہے۔ رہا حکومت کا موقف تو میری رائے یہ ہے کہ اس کا کوئی موقف نہیں ہے۔

سوال: حضرت نوح علیہ السلام کو جب نصیحت کر دی گئی تھی کہ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ٥ تو انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے کیوں دعا کی۔ نبی تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی بات نہیں کہہ سکتا؟

جواب: حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا شفقت پدری سے مغلوب ہو کر محض "اہل" کے اس لفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرمائی جو سورہ ہود ہی کی آیہ ۴۰ میں آیا ہے کہ حضرت نوح ؑ کو حکم ہوا کہ "اس کشتی میں ہر چیز کے نر و مادہ اور اپنے اہل و عیال کو بجز ان کے جن کے باب میں خدا کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، سوار کرا لو"۔ چونکہ ان کا بیٹا کنعان بھی بظاہر لفظ 'اہل' میں شامل تھا اور یہ بات تعین کے ساتھ ان کے علم میں نہیں تھی کہ وہ خدا کے فیصلہ کی زد میں آ چکا ہے اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں دعا کی۔ اس فیصلہ سے مراد وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو روز اوّل ہی اس کے انا خیر منہ کے جواب میں سنا دیا تھا کہ جنوں اور انسانوں میں سے جو تیری پیروی کریں گے میں ان سب کو جہنم میں بھر دوں

گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اس حکم ازلی کی زد میں آچکے ہیں وہ تو اس میں سوار ہونے سے محروم رہیں گے' باقی کو اس میں سوار کرالو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فریاد کی کہ اے رب، میرا بیٹا بھی میرے اہل میں شامل ہے اور تیرا یہ وعدہ کہ تو میرے اہل کو اس کشتی کے ذریعہ سے نجات دے گا سچا وعدہ ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے جب تیرا سچا وعدہ موجود ہے تو میرا یہ بیٹا کیوں غرق ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ بیٹا تمہارے اس اہل میں شامل نہیں جن کے لئے نجات کا وعدہ تھا۔ نجات کا وعدہ صرف اہل ایمان کے لئے تھا اور تمہارے اہل میں وہی شامل تھے جو ایمان کے رشتہ سے تمہارے ساتھ وابستہ تھے۔ نبی کا گھرانا صرف نسبت سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب انہیں تنبیہ ہوئی تو ان پر حقیقت واضح ہو گئی چنانچہ انہوں فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ .... (جاری ہے)

❀❀❀❀

رزق کی فراخی اور تنگی کی حکمت

رزق کی فراخی ہو یا تنگی دونوں اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے' جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے۔ اس کا یہ چاہنا تمام تر اس کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہ تو کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مایوس ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ اترانے اور اکڑنے والا بنے۔ اترانے کا حق اس کو ہے جس کا رزق اس کے اپنے اختیار میں ہو اور خدا سے مایوس وہ ہو جو اپنے لئے کوئی اور دروازہ تلاش کر سکے۔ جب ان دونوں میں سے کوئی بات بھی ممکن نہیں ہے تو صحیح رویہ صرف یہی ہے کہ بندہ نعمت پر شکر کرے اور آزمائش پر صبر۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں ہی چیزوں سے بندے کا امتحان کرتا ہے اور یہ آخرت میں کھلے گا کہ کون اس کے امتحان میں کامیاب ہوا اور کون ناکام!

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
مجموعہ تفاسیر فراہی	328/-
تفسیر قرآن کے اصول (ترجمہ مولانا خالد مسعود)	80/-
حکمت قرآن (ترجمہ مولانا خالد مسعود)	96/-
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
تدبر قرآن کامل (9 جلد)	2952/-
تدبر قرآن (فی جلد)	328/-
تدبر حدیث شرح امام مالک	350/-
تدبر حدیث شرح صحیح بخاری	360/-
مبادی تدبر قرآن	120/-
مبادی تدبر حدیث	105/-
حقیقت شرک و توحید	165/-
حقیقت نماز	60/-
حقیقت تقویٰ	60/-
تزکیہ نفس کامل	285/-
تزکیہ نفس جلد دوم	120/-
دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	120/-

نام کتاب	قیمت
اسلامی قانون کی تدوین	90/-
اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	90/-
اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	120/-
قرآن میں پردے کے احکام	15/-
فلسفے کے بنیادی مسائل ... قرآن حکیم کی روشنی میں	138/-
تفہیم دین	105/-
مقالات اصلاحی (جلد اول)	195/-
اصول فہم قرآن	34/-
مقالات اصلاحی (جلد دوم) (زیر طبع)	--
اسلامی ریاست (زیر طبع)	--
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن) (حمائل ایڈیشن) (مع ترجمہ اور خلاصہ تفسیر تدبر قرآن) ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی حواشی: مولانا خالد مسعود	550/- 396/-
حیات رسول امیؐ	375/-
اسباق نحو	36/-

ملنے کے پتے:

❀ **ادارہ تدبر قرآن و حدیث** رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی سمن آباد لاہور

❀ **فاران فاؤنڈیشن** 122۔ فیروزپور روڈ۔ اچھرہ، لاہور۔ 54600 فون: 042-7595200

❀ **دارالتذکیر** رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور